365

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
مدیر
ڈاکٹر حافظ انس مدنی

ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

اپریل ۲۰۱۴ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ اللہ کی کامل بندگی ہی تمام مسائل کا حل ہے!
۳۲ منشیات اور شراب نوشی کی سزا
۵۶ مرزا غلام احمد؛ نبی یا نفسیاتی مریض
۷۶ مسلمہ جمہوری اقدار اسلام کی نظر میں

تبلیغ دین کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

محدث لائبریری
KitaboSunnat.com

محدث فتویٰ
UrduFatwa.com

محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم
Forum.Mohaddis.com

یومیہ 15000 وزیٹر
ہر لمحہ 2000 قارئین

زیر سرپرستی
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

زیر نگرانی
ڈاکٹر حافظ انس نضر
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

علمی معاونت
قاری مصطفیٰ راسخ
قاری خضر حیات

فنی معاونت
انجینئر محمد شاکر اعوان
انجینئر عمیر حسن راجہ

خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لئے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شماریات کی سہولت

جاری پروگرام

محدث لائبریری
(KitaboSunnat.com)
- یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
- حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فتویٰ
(UrduFatwa.com)
تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات

محدث میگزین
(Magazine.Mohaddis.com)
45 سال کے تقریباً 90 فیصد شمارے
(Unicode / PDF)

محدث فورم
(Forum.Mohaddis.com)
موضوعات: 20829 ترسیلات: 170731
اراکین: 2497

مستقبل کے منصوبے

- حدیث پراجیکٹ
- محدث یونیکوڈ لائبریری
- محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
- رسائل و جرائد سیکشن

ماہانہ اخراجات پونے دو لاکھ روپے

زیر اہتمام مجلس التحقیق الاسلامی J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور

Mobile: +92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093

Designing & Printing: CRYSTAL ART Lhr 0323-7471861

magazine.mohaddis.com

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

مدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ

ماہنامہ محدّث
لاہور پاکستان

اعزازی مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد ۴۶ — عدد ۲

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر حافظ انس مدنی — ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
حافظ عمران الٰہی — محمد کامران طاہر

فہرست مضامین

فکر و نظر	اللہ کی کامل بندگی ہی تمام مسائل کا حل ہے! ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۴
فقہ اجتہاد	منشیات اور شراب نوشی کی سزا ابو مالک کمال بن سید سالم مترجم: حافظ محمد اسحٰق طاہر	۳۲
ردِّ قادیانیت	مرزا غلام احمد: نبی یا نفسیاتی مریض پروفیسر ارشد جاوید	۵۶
افکار و نظریات	مسلّمہ جمہوری اقدار اسلام کی نظر میں عبد الحنان کیلانی	۷۶
عقیدہ و منہج	طائفہ منصورہ اہل حدیث کی مساعی مشکورہ... ابو مسعود عبد الجبار سلفی	۸۸
تعارف کتب	عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی مفتی عبد اللہ	۹۶
رپورتاژ	چانسلر جامعہ امام الریاض کا دورہ جامعہ لاہور الاسلامیہ ادارہ	۱۰۹

انتظام و ترسیل
محمد اصغر
03054600861

زر سالانہ = /۳۰۰ روپے
فی شمارہ = /۳۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ = /۲۰ ڈالر
فی شمارہ = /۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

042-35866476
35866396

Email:
IRC99J@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ تحقیق کا حامی اور مضامین نگار کی آراء سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!
مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی کامل بندگی ہی تمام مسائل کا حل ہے!

اسلام اللہ کی 'اطاعتِ کاملہ' بجالانے کا نام ہے۔ اللہ کی یہ بندگی (عبادت وعبدیت) دیگر مذاہب کی طرح محض پوجاپاٹ کا تصور نہیں بلکہ زندگی کے ہر مرحلے؛ شخصی وانفرادی یا اجتماعی وملّی ہر میدان میں اللہ کے احکام وہدایات پر چلنے کا نام ہے۔ انبیا کا مقصدِ بعثت یہی رہا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں اور جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس کی لوگوں کو تلقین وتعلیم کریں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاۙ۝۴۵ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۝۴۶ ﴾[1]

"اے نبی! یقیناً ہم نے آپ کو (رسول بناکر) گواہیاں دینے، خوشخبریاں سنانے اور آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اسکی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کے فریضہ رسالت کی یوں تلقین کی کہ

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾[2]

"اپنے ربّ کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے..."

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ١ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ١ؕ ﴾[3]

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے ربّ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے۔ اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

نبی کریم ﷺ نے یہ فرض بہ تمام وکمال پورا فرمایا اور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اس کی تصدیق حاضرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان الفاظ میں چاہی کہ

۱ سورۃ الاحزاب:۴۵،۴۶

۲ سورۃ النحل:۱۲۵

۳ سورۃ المائدۃ:۶۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

«أَلَا إِنَّ كُلَّ رِبًا مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ» .... قَالَ: «اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ: «اللَّهُمَّ اشْهَدْ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ[1]

''خبر دار ہو جاؤ! جاہلیت کے سود معاف کر دیے گئے ہیں، اب تمہارے لیے صرف تمہارے اصل مال لینے کی ہی اجازت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: یاالٰہی! کیا میں نے پہنچا دیا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ہاں، تین مرتبہ... پھر آپ نے بھی تین مرتبہ کہا: یاالٰہی! اس پر گواہ ہو جا۔''

رسولوں کے پہنچا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا یہ حق جتایا ہے، فرمانِ نبویؐ:

«هَلْ تَدْرِي ما حَقُّ الله عَلَى عِبادِهِ؟» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «حَقُّ الله عَلَى عِبادِهِ أَنْ يَعْبُدوهُ وَلا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً ... »[2]

''یا معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔''

اللہ کی اس بندگی کا مطلب زندگی کے ہر ہر مرحلہ پر ربّ کریم کی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا اور اسے ہر لحہ اپنے اوپر لاگو کرنے کی جہدِ مسلسل کرنا ہے۔ جب ہم اللہ کی اس بندگی کو صرف اپنے عقائد اور عبادات و مناکحات (نکاح وطلاق) تک محدود کر لیتے ہیں اور یہ باور کرتے ہیں کہ سیاست وعدالت، معیشت و معاشرت اور تعلیم وابلاغ میں ہمیں اللہ یا اپنے دین کی ہدایات کی ضرورت نہیں تو یہ بھی اللہ کی بندگی اور عبادت سے انحراف ہے اور یہی سیکولرزم ہے کہ مسجد وعبادت یعنی پرائیویٹ زندگی کے علاوہ، ہر دو افراد کے باہمی ہمہ نوعیتی معاملات میں اللہ کی تعلیمات وہدایات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے رسولوں کو مبعوث کیا کہ وہ لوگوں پر اللہ کی اطاعت کے تقاضے واضح کر دیں اور رسولوں کی یہ تعلیمات زندگی کے ہر ہر میدان میں ہیں۔ تجارت اور معاملات سے لیکر، سیاست و معاشرت کے جمیع میدانوں میں... :

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ

---

۱ سنن ابو داود: ۳۳۳۴

۲ صحیح بخاری: ۵۸۶۷

magazine.mohaddis.com

الرُّسُلِ ۭ﴾[1]

''ہم نے اُنہیں رسول بنایا، خوشخبریاں سنانے اور آگاہ کرنے والے تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رہ نہ جائے۔''

اللہ تعالیٰ کے رسول کسی بھی معاشرے میں انقلاب بپا کر دیتے ہیں، ایک بدحال معاشرے کو اوجِ کمال تک پہنچا دیتے ہیں، رسولوں کی تعلیمات پر چلنے والوں کی آخرت کے ساتھ دنیا بھی سنور جاتی ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عرب کا بدترین معاشرہ محمدی تعلیمات کی روشنی سے منور ہو کر، چند ہی دہائیوں میں دنیا کی صالح ترین قوم بن گیا، اسلام پر عمل کرنے سے اُنہیں دین کی برکت کے ساتھ دنیا میں بھی عظمتیں نصیب ہوئیں۔ دنیا کی سپر طاقتیں اس دعوتِ نبوی کے بعد اُن کے سامنے ٹھہر نہ سکیں، نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی کی تھی کہ میں قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں، جو حرف بحرف پوری ثابت ہوئی...:

«يا عدى بن حاتم! أسلِم تسلم، فلعلّك إنما يمنعك من الإسلام أنك ترٰى بمن حولى خصاصة وأنك ترى الناس علينا إلبا. هل رأيت الحيرة، فليوشكن أن الظعينة ترحل من الحيرة بغير جوار حتى تطوف بالبيت، وليفتحنّ علينا كنوز كسرٰى بن هرمز، ويوشك أن لا يجد الرجل من يعطى ماله صدقة»[2]

''اے عدی بن حاتم! اسلام قبول کر لے، تو فلاح پا جائے گا۔ شاید کہ تیرے اسلام سے گریز کی وجہ یہ ہے کہ تو میرے ارد گرد حاجت مندوں کو دیکھتا اور لوگوں کو ہمارے خلاف مجتمع پاتا ہے۔ تو نے 'حیرہ' مقام کو دیکھا ہے؟ وہ وقت آنے والا ہے جب ایک عورت حیرہ سے کسی ہمراہ کے بغیر بے خوف وخطر اکیلی بیت اللہ کے طواف کو نکلے گی۔ اور عنقریب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے ہم پر کھول دیے جائیں گے۔ اور وہ وقت بڑا قریب ہے جب آدمی کو صدقہ وصول کرنے والا نہ ملے گا۔''

اس فرمانِ مبارک میں اسلام لانے والوں کو امن وامان، قومی طور پر دنیا کی سپر طاقت اور شخصی طور پر مال ودولت کی فراوانی کی خوشخبری دی گئی ہے، اور چند ہی سالوں میں یہ سب کچھ

1 سورۃ النساء: ۱۶۵

2 مسند احمد: ۴/ ۳۷۷، رقم ۱۹۳۹۷ ؛ مستدرک حاکم: ۴/ ۵۶۴، رقم ۸۵۸۲ وقال: صحیح علی شرط الشیخین

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

زمین کے سینے پر واقع ہو گیا۔ مقامِ غور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں کس ذریعے سے انقلاب بپا کیا، ان کا کارنامہ کیا سائنس و ٹیکنالوجی کا انقلاب تھا، یا آپ نے اپنی قوم کو ناقابل تسخیر اقتصادی طاقت بنانے کی جدوجہد کی تھی۔ یا اپنی قوم کا شہری انفراسٹرکچر، سڑکیں، پل، پلازے، سیوریج، سٹریٹ لائٹس اور تمدن میں انقلاب بپا کرنے کو ہدف بنایا تھا، یا اپنی قوم کے ہر شہری کو روٹی کپڑا اور مکان کی ضمانت فراہم کی تھی، یا اُن کو ملازمتیں اور روزگار مہیا کر دی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے۔

انبیا کی سیرت کا مطالعہ کریں تو رسولوں نے ظاہری چیزوں کی اصلاح کی بجائے انسان کو اپنا مخاطب بنایا اور انسانوں کے دلوں کی دنیا تبدیل کرنے پر ساری توجہ صرف کی۔ اپنے پیروکاروں کے ہدف اور منزل کو اس ظاہری دنیا سے نکال کر، اللہ عزوجل کی رضا کی عظیم الشان منزل کی طرف لے جانے کی سعی مسلسل کی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»[1]

"خبردار ہو جاؤ، جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے، جب وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب... وہ دل ہے۔"

رسولوں کی دعوت لوگوں کو اللہ سے جوڑنے کے لیے ہوتی ہے، دنیا سے بے رغبتی اور اللہ کی رضا کے ہر دم حصول کی جدوجہد... دنیا کی رنگینیوں میں مگن ہونے اور دنیا بنانے کی بجائے اپنے خالق کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرنا۔ جب دل کی دنیا بدلتی ہے، ہدف و منزل بدلتا ہے تو دنیا کے مفادات انسان کو ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ انسان میں اس کا دل ہی سب سے مرکزی حیثیت رکھتا جو ایمان کا منبع و مرکز ہے۔ اس دل کے تابع ہی انسان کا دماغ اور پورا جسم و جان ہے۔ جب دل پر اللہ حکومت قائم ہو جاتی ہے تو نظریات و معتقدات تبدیل ہونا شروع ہوتے ہیں۔ دل بدلتا ہے تو انسان بدلتا ہے، اس کے طور اطوار بدلتے ہیں۔ انسان کا جسم اللہ کا مطیع ہوتا ہے تو انسان کی اطاعت کے ساتھ، اس کی آل اولاد، اس کا کنبہ قبیلہ، اس کا کاروبار و تجارت سب اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔ اس انسان کو خالق ارض و سما نے جو جو نعمتیں عطا کی ہیں، ایک مطیع دل کا مالک مسلمان، ان تمام نعمتوں میں اللہ کے احکام کو جاری و ساری کرنا شروع کر

[1] صحیح مسلم: ۱۰۷... باب اخذ الحلال وترک الشبہات

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دیتا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ اس کائناتِ ارضی میں سب سے اہم چیز انسان ہے اور انسان میں سب سے قوی چیز اس کا دل ہے جو فکر وخیال اور قوت وطاقت کا منبع ہے۔ اعتقادات و نظریات درست ہو جائیں تو پھر یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ہی بنائی اور اس کے لیے مسخر کی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[1]

"وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔"

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾[2]

"اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو تابع بنادیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ۔ اور آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔ جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے۔"

انسان ہی اشرف المخلوقات اور مقصودِ کائنات[3] ہے۔ رسل وانبیا ظاہری اور مادی چیزوں کی اصلاح کی بجائے انسان کی اصلاح پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ دنیا کی تمام چیزیں انسان سے متعلقہ یا اس کی ماتحت ہیں۔ جب ان میں مرکزی 'فرد' کی اصلاح ہو جاتی ہے، تو یہ ساری چیزیں بھی ایک مقصد ومرکز پر جمع ہو جاتی ہیں۔ گویا مال ودولت، زمین، اولاد وکنبہ، حکومت وریاست، تجارت ومعیشت، معاشرت وتمدن، میل جول، رویے رجحانات کی اصلاح وفلاح کا آغاز فرد کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کی بنیادی اکائی درست اور صالح نہیں، تو مجموعہ واجتماع کیوں کر صالحیت وعبدیت پر قائم ہوگا؟

رسولوں نے معاشرے میں انقلاب انسانوں کے قلب وذہن میں تبدیلی لا کر پیدا کیا۔ رسول اللہ کی طرف سے مستند تعلیمات پیش کرتے ہیں، اور ان تعلیمات کے مطابق اپنی عملی

---

۱ سورۃ البقرۃ:۲۹

۲ سورۃ الجاثیہ:۱۲

۳ بزبانِ اقبالؒ: خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

magazine.mohaddis.com

مثال پیش کرتے ہیں۔ قرآن کی زبان میں تلاوتِ آیات، تزکیہ نفس، کتاب و حکمت[1] کی تعلیم اور اس کے مطابق اپنی عملی زندہ جیتی جاگتی مثال یعنی اسوہ حسنہ[2] کو پیش کرنا۔ یعنی رسول صرف تعلیم نہیں دیتے بلکہ انسانوں کی تربیت کرتے ہیں، عملی زندگی میں اپنی ذات پر اس کو قائم کرکے دکھاتے ہیں کہ وہ کس طرح ہر میدان میں اللہ کی بندگی کرنے والے، اس کے پیغام کو پھیلانے والے، کارزارِ حیات میں اس کے لیے ہمہ تن جدوجہد کرنے اور تکلیفیں برداشت کرنے والے اور اس دین الٰہی کے فروغ و تحفظ کے لیے ہر طرح کی تدبیر کرنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول جو معاشرے میں سب سے مؤثر، سب سے حقیقی اور بامقصد تبدیلی لاتے ہیں، ان تمام کاوشوں کا محور و مرکز انسان ہی کی ذات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا، اور اس پر اپنی بندگی کا حق قائم و عائد کیا، اور رسول زندگی کے ہر میدان میں اس بندگی کو قائم و دائم کر دیتے ہیں۔

اللہ کی بندگی سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں!

اس انسان کو حاصل تمام صلاحیتوں، انعامات اور وسائل، مال و دولت، رزق، زمین و جائیداد سب پر بظاہر انسان کا حکم چلتا ہے۔ ایک مطیع و مسلمان شخص اپنے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کا پابند ہوتا ہے، اس طرح ان تمام چیزوں پر جو اسی اللہ رازق و مالک ربّ ذوالجلال کی عطا ہیں، اللہ کا حکم جاری و ساری ہو جاتا ہے۔ جب انسان کا دل صالح ہو جاتا ہے تو معاشرہ صالح ہو جاتا ہے۔ اور جب معاشرہ صالح ہو جائے، اللہ کے احکامات پر کاربند ہو جائے تو پھر اللہ کی نعمتیں زمین و آسمان سے بے تحاشا برسنا شروع ہو جاتی ہیں:

﴿ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ ﴾[3]

"اور اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں

۱ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

۲ ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

۳ سورۃ المائدۃ: ۶۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

پاتے اور کھاتے۔"

اللہ کی اطاعت وبندگی اور اس کے لیے یکسو ہو جانے کی انسان کی زندگی میں کس قدر اہمیت ہے، اس کا پتہ نبی کریم ﷺ کی اس دعوت سے بھی چلتا ہے جو آپ نے قریش مکہ کو دی۔ جب جناب ابو طالب مریض ہوگئے اور نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس تشریف لائے تو اس موقع پر رؤسائے قریش نے موقع غنیمت جانا کہ آپ پر ابو طالب کا دباؤ استعمال کیا جائے۔ ابو جہل گویا ہوا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، اس کی سرزنش کیجیے تو ابو طالب کے جواب میں آپ نے فرمایا:

«إِنِّي أُرِيدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً، تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَتُؤَدِّي إِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ». قَالَ: كَلِمَةً وَاحِدَةً. قَالَ: «كَلِمَةً وَاحِدَةً». قَالَ: «يَا عَمِّ! قُولُوا لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ». فَقَالُوا: إِلَهًا وَاحِدًا ﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾[1]

"میں تو انہیں ایک کلمہ کی تلقین کرتا ہوں کہ اگر مان لیں گے، تو عرب ان کے مطیع اور عجم باج گزار بن جائیں گے، دنیا کی فرمانروائی ان کو ملے گی۔ ابو طالب بولے: صرف ایک کلمہ، آپ نے جواب دیا: بالکل صرف ایک کلمہ... یہ اللہ کی توحید کا اقرار کرلیں۔ سرداران قریش بولے: "ایک الٰہ، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا... ہم نے تو یہ بات پچھلے کسی دین میں بھی نہیں سنی، کچھ نہیں یہ تو صرف گھڑنت ہے۔"

غور کیجیے کہ کلمہ توحید میں ایسی کیا قوت ہے جو صادق وامین ﷺ اس کو خلوصِ دل سے تسلیم کرلینے پر دنیا جہاں کی حکمرانی کی نوید سنا رہے ہیں۔ یہ کلمہ توحید، تمام انبیا کی دعوت کا اصل الاصول اور مرکزی نکتہ[2] رہا ہے، یہی اسلامی عساکر کی بنیادی دعوت[3] رہی ہے۔ اور اس کی روح کے مطابق عمل کرلیا جائے اور اپنی پوری زندگی کو عبادت وعبدیت کے تقاضوں میں ڈھال لیا جائے تو کوئی بھی فرد اور ملّت دنیا کی سپر پاور بن جاتی ہے۔ زبانِ رسالت اور تاریخ سے یہی ثابت

١ جامع ترمذی:٣٢٣٢

٢ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ الانبیا:٢٥

٣ «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ» صحیح بخاری:١٣٩٩

magazine.mohaddis.com

ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاے کرام کا پیغام سوچ وفکر کے مرکز و محور کو متعین کر لینے کا ہوتا ہے۔ انسان کی اصلاح کا ہوتا ہے۔ جب انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس انسان کے تمام متعلقات کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔

اسلام دنیا کو بھی 'حسنہ' بناتا ہے!

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مال و دولت، ترقی، دنیا میں حکومت و غلبہ، خوشی و اطمینان، اور اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا اسلام کسی طور مخالف نہیں ہے۔ لیکن ان نعمتوں کے حصول کا طریقہ براہِ راست نہیں۔ اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ مال جمع کرنے اور حکومتیں حاصل کرنے میں ساری صلاحتیں کھپا دو، نعمتوں کی بھرپور جدوجہد کرو بلکہ یوں کہا ہے کہ اللہ کی رضا واتباع اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی بندگی کے تقاضے پورے کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ انعامات بھی عطا کرے۔ یہ سب نعمتیں اللہ کی عطا اور تحفہ ہیں۔ پہلے دیکھیے کہ اسلام نے نعمتوں کے حصول کا طریقہ کیا بیان کیا ہے پھر ان نعمتوں کے براہِ راست حصول کی نفی کا تذکرہ آگے...

① کسی فرد اور ملّت کے لیے عظیم الشان نعمت دنیا میں اقتدار و اختیار اور امن وامان ہے، اس کے حصول کا طریقہ ربّ العالمین نے یوں بیان کیا کہ میری بندگی کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اللہ اُن کو زمین کا وارث بنا دے گا

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾[1]

"تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ اُنہیں ضرور زمین میں حکومت دے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو اُن سے پہلے تھے اور یقیناً اُن کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور اُن کے اس خوف و خطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، بس وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ

1 سورۃ النور: ۵۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ٹھہرائیں گے۔ اتنے (واضح وعدے) کے بعد بھی جو لوگ انکار کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔"

پیچھے رؤسائے قریش کو کلمہ توحید پڑھنے پر دنیا میں غلبہ و حکومت کا وعدہ، عدی بن حاتم کو اسلام لانے پر تین خوشخبریوں کا وعدہ کہ امن وامان، کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کا مل جانا، صدقہ قبول کرنے والے کا نہ ملنا وغیرہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ ان نعمتوں کو براہِ راست حاصل کرنے کے بجائے اسلام نے انہیں اللہ کی بندگی کی تلقین کی اور اس کا ثمرہ و نتیجہ قرار دیا ہے۔ دنیا کی براہ راست جدوجہد کی بجائے اللہ کی بندگی اور خلوص سے یہ نعمتیں دائمی نصیب ہوتی ہیں۔ اگر اس کے بغیر حاصل ہو بھی جائیں تو یہ غلبہ وقتی اور یہ برکات عارضی ہوتی ہیں۔ اس آیت کریمہ کی رو سے بھی دائمی، متوازن اور کامل نعمتیں اللہ تعالیٰ کی بندگی، شرک کا خاتمہ، ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

② لوگوں میں مقبولیت اور شہرت و عزت اللہ کا عظیم الشان انعام ہے، اس کا طریقہ یہ بیان کیا کہ اللہ سے محبت کرو، اس کے لیے نفرت کرو، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت ڈال دیں گے:

«إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا قَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاوَاتِ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ. فَيُلْقَى حُبُّهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيُحَبُّ. وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا قَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ. فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاوَاتِ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، فَيُوضَعُ لَهُ الْبُغْضُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ، فَيُبْغَضُ.»[1]

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریل کو کہتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل آسمان میں منادی کروا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اسے محبوب رکھو۔ پھر اس کی محبت اہل زمین کے دل میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور وہ محبوب و مقبول انسان بن جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کریں تو جبریل کو کہتے ہیں کہ مجھے فلاں سے نفرت ہے، تم بھی اس سے نفرت کرو، جبریل اس امر کا آسمانوں میں اعلان

1 مسند احمد بن حنبل: ۱۰۶۱۵

magazine.mohaddis.com

کر دیتے ہیں کہ اللہ کو فلاں سے نفرت ہے، اس سے سب نفرت کریں۔ چنانچہ دنیا میں ایسے شخص کے لیے نفرت و بغض رکھ دیا جاتا ہے۔"

اور یہ بات تو معلوم و معروف ہے کہ دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے ان کی کیفیت کو تبدیل[1] کر دیتا ہے۔ دلوں کی کیفیت اور ان میں میلان یا نفرت کا پیدا ہونا، اس پر اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ کوئی انسان دوسرے پر لاکھ خرچ کرے، بے انتہا احسانات کرے، لیکن وہ اس کا شکر گزار ہونے کے بجائے، اسی کو نقصان پہنچانے اور اس کا مال ہتھیانے کے درپے ہو جائے، اور ایسا ہم آئے روز دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی ذات کے لیے دنیا جہاں کی نعمتیں جمع کر لینے کے بعد اپنے دل کا مطمئن و پر سکون اور خوش گوار و مسرور ہونا اللہ کے حکم وانعام کے بغیر ممکن نہیں۔ بہت سے اموال و نعم والے ایسے ہیں کہ ان کی نعمتیں ان کے لیے باعثِ فتنہ والم اور باعثِ تفکر و آزمائش[2] بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی مکرم کو کہا ہے کہ اگر آپ دنیا جہاں ان پر خرچ کر دیں، آپ ان کے دل نہیں جیت سکتے اور ان میں اُلفت پیدا[3] نہیں کر سکتے۔ اللہ عزوجل کسی انسان سے کس بنا پر محبت کرتے ہیں، اس کا وصف احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایسا شخص جو اللہ کے لیے دوسروں سے محبت کرتا اور اللہ کے لیے ہی نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس خوبی کی بنا پر اسے اپنا محبوب بنا لیتے[4] ہیں۔ آگے صفحہ نمبر ۱۵ پر حدیثِ مبارکہ میں دنیا سے پہلو تہی کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بتایا گیا ہے۔

دنیا میں عزت و مقبولیت پانے کے لیے اللہ کی طاعت و بندگی کی تلقین کی گئی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ

---

۱ «إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، كَقَلْبٍ واحِد، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ ﷺ: «اللهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ» مسلم:۱۷

۲ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (التوبۃ:۸۵،۵۵) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ .... اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ﴾ (التغابن:۱۵،۱۴)

۳ سورۃ الانفال:۶۳

۴ حدیثِ قدسی ہے: «وجبت محبتي للمتحابين في والمتجالسين في ...» موطا مالک: کتاب الجامع

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾[1]

''جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے، تمام تر پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔''

(۳) اموال واولاد اللہ کا عظیم الشان انعام ہے، اس کے حصول کا طریقہ یوں ذکر کیا:

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ ﴾[2]

''اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب بے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔''

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ بلکہ اس کے مال و عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ فرمان رسالت ہے:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»[3]

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں اضافہ ہو اور اس کا نام زندہ رہے تو وہ صلہ رحمی کو وطیرہ بنالے۔''

(۴) خوشی اور اطمینان زندگی سب سے بڑی نعمت ہے، مال واولاد موجود ہو لیکن دل مسرور و مطمئن نہ ہو، تو وہ انسان کیوں کر کامیاب کہلا سکتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ﴾[4]

''جو لوگ ایمان لائے، ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔''

.2014

۱ سورۃ الفاطر: ۱۰

۲ سورۃ النوح: ۱۰ تا ۱۳

۳ صحیح بخاری: ۲۰۶۷

۴ سورۃ الرعد: ۲۸

magazine.mohaddis.com

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾[1]

"جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن ایمان والا ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔"

اس آیت کریمہ میں ایمان اور نیک اعمال کی بنا پر دنیا میں پاکیزہ اور خوش گوار زندگی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور آخرت میں بہترین اعمال کے حقیقی اور کامل بدلہ کا۔ اس کے بعد بھی مقام افسوس ہے کہ اللہ کے نام لیوا، اُس کے وعدوں پر یقین نہیں کرتے۔

⑤ اوقات میں برکت، کاموں کو نمٹانے، اور تونگری حاصل کرنے کا طریقہ یوں بتایا کہ

«إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِلاَّ تَفْعَلْ مَلأْتُ يَدَيْكَ شُغْلاً وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ»[2]

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے وقت نکال، میں تیرے دل کو استغنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کا خاتمہ کر دوں گا۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھ کو مشغول کر دوں گا اور تیرا فقر وفاقہ بھی ختم نہ ہو گا۔"

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝﴾[3]

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔"

⑥ زمین وآسمان کی برکات اور انعامات حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾[4]

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم

2014

۱ سورۃ النحل:۹۷

۲ جامع ترمذی:۲۴۶۶

۳ سورۃ طٰہٰ:۱۲۴

۴ سورۃ الاعراف:۹۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔"

کسی سرزمین میں اللہ کی برکات حاصل کرنے کا طریقہ اللہ کے دین کا نفاذ اور قیام بتلایا:

«إِقَامَةُ حَدٍّ بِأَرْضٍ خَيْرٌ لِأَهْلِهَا مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» [1]

"کسی سرزمین میں اللہ کی کسی حد کو قائم کر دینا، وہاں چالیس راتوں کی بارش سے زیادہ برکت کا موجب ہے۔"

⑦ گویا ہمارا دین دنیا و آخرت کی خیرات و برکات کا جامع ہے، حتی کہ مال و متاع کو جمع کرنے کو برا جاننے کی بجائے اس کے حق ادا کرنے اور دوسروں کو شریک کرنے کی تلقین کی گئی:

﴿ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۙ ﴾ [2]

"ان گھروں میں جن کے بلند کرنے، اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہاں وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر، نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی۔"

⑧ قارون کو دنیا جہاں کے خزانے عطا کرنے والے ربِّ کریم نے، اس بات کو باعثِ ملامت ٹھہرایا جب اس نے اس سارے مال کو اپنی محنت اور علم کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اللہ نے اسے اِترانے کی بجائے اس امر کی تلقین کی کہ

﴿ وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ۫ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۚ وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ [3]

"اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے، اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو

2014،

۱ سنن نسائی: ۴۹۰۵

۲ سورۃ النور: ۳۶

۳ سورۃ القصص: ۷۷

magazine.mohaddis.com

بھی اچھا سلوک کر۔"

اوپر یہ سارے نظریے مستند ترین ذرائع علم یعنی قرآن وحدیث کے براہ راست ترجمے کے ذریعے بیان کیے گئے ہیں۔ دراصل جس طرح کوئی دکاندار صحیح سودا فروخت کرکے، دھوکہ دہی سے بچ کر، کم منافع لے کر بظاہر اپنا نقصان لیکن اپنے کاروبار کا دائمی فائدہ کر رہا ہوتا ہے کہ اس طرح گاہک اس کے پاس وافر تعداد میں آئیں گے۔ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس طرح وہ گاہک کا دل جیت کر، ہمیشہ کے لیے اس کو خرید لیتا ہے اور جو دکاندار زیادہ منافع کے لالچ میں دھوکہ دہی کا مرتکب ہوتا ہے، بظاہر وہ زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن دراصل اپنا دائمی نقصان کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی نعمتیں لالچ وہوس سے کھینچ لینے کی بجائے اللہ عزوجل کی عنایت ومہربانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کی بندگی کو بھی قرآن کریم نے تجارت قرار دیا ہے، جو دنیا میں 'حیوۃ طیبہ' و'حسنہ' کے حصول اور آخرت میں عذاب الیم سے چھٹکارے اور جنات نعیم کا وارث بننے کی تجارت ہے۔ جو انسان ان نعمتوں کو اللہ سے غافل ہو کر لینا چاہتا ہے، وہ دراصل عاجل فائدہ لیتے لیتے اپنا دائمی نقصان کرلیتا ہے، اللہ کے خزانے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں اور جو اس کو میسر آتے ہیں، ان سے فائدہ بھی اس کے لیے حتمی اور کارآمد نہیں رہتا اور آخرت میں وہ حقیقی خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہے۔

دنیا کی نعمتوں کے حصول میں اپنے آپ کو کھپا لینا پسندیدہ نہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دنیا کی نعمتوں کے حصول کی طرف متوجہ ہونے سے منع کیا ہے۔ اور ایسی نعمتیں جو اللہ تعالےٰ کا حق بندگی نظر انداز کرکے استعمال کی جاتی ہیں، وہ تو وبال بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اپنے نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝﴾[1]

"اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیا کی آرائش دے رکھی ہیں تاکہ اُنہیں ان کی آزمائش میں مبتلا کردیں۔ تیرے

1 سورۃ طٰہٰ: ۱۳۱،۱۳۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رب کا دیا ہوا ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جما رہ۔ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیز گاری ہی کا ہے۔"

ان آیاتِ کریمہ پر غور کریں تو ان کا رجحان واضح طور پر بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا کی نعمتوں کی طرف للچانے سے روکا اور انہیں اس بات کی تلقین کی ہے کہ تمہارا کام اللہ کی بندگی کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنا ہے، ہمیں تم سے کوئی روپے پیسے کا مطالبہ نہیں ہے۔ اب جو اللہ کا بندے سے مطالبہ ہے، جس کے لیے اس نے انسان کو تخلیق فرمایا ہے، انسان کو وہی کام کرنا چاہیے جو اللہ کا حق ہے یعنی ہر جگہ اللہ کی بندگی، پھر اللہ تعالیٰ کا انعام اور وعدہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کو سکون واطمینان اور آخرت میں جناتِ نعیم کا وارث بنا دے گا۔

ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ... ﴾[1]

"اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ خبردار! تیری نگاہیں اُن سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا۔ دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں بھی نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طاعت وبندگی کی تلقین، دنیوی زینتوں سے بے پرواہونے اور خواہشاتِ نفس سے دوری کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی وعدہ کیا ہے کہ رزق دینا اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنا تو اللہ کا کام ہے، تمہیں رزق کی جستجو میں فکر مند ہونے کی بجائے بندگی میں اپنی کوششیں صرف کرنا چاہئیں۔ ایک اور آیتِ کریمہ ملاحظہ کریں:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ ﴾[2]

.2014

۱ سورۃ الکہف:۲۸

۲ سورۃ الذاریات:۵۸،۵۷

magazine.mohaddis.com

"میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔"

اس آیتِ کریمہ کا مفہوم اور رجحان بھی وہی پتہ دے رہا ہو جو اوپر والی آیات میں بیان ہوا ہے کہ انسان کا کام ہر میدان میں اللہ کی بندگی کرنا ہے۔ اللہ کو انسان سے رزق کا مطالبہ نہیں ہے۔ حتی کہ دنیا کی جستجو اور محبت کو باعثِ فتنہ قرار دیا گیا اور اللہ کے انعامات کو پانے کے لیے اس سے پہلو تہی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ الله، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ»[1]

"اللہ کی محبت چاہتے ہو تو دنیا سے بے رغبتی کرو اور جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس سے بے پرواہو جاؤ، لوگ تم سے محبت کریں گے۔"

مذکورہ بالا تفصیلات سے علم ہوا کہ دنیا کے حصول کی جدوجہد سے دنیا نہیں ملتی، یا جتنی انسان چاہتا ہے، اس قدر ملنے کی بجائے اللہ کی مرضی سے ہی عطا ہوتی ہے، جبکہ انسان اللہ کی بندگی کرے، ہر معاملے میں اس کی اطاعت بجالائے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بے شمار نعمتیں عطا کرے گا۔ اور اپنی فکر و توجہ کو اللہ کی رضا کے حصول میں صرف کر دے۔

ہمارا دین رہبانیت اور ترکِ دنیا کا دین نہیں ہے۔ دنیا کی تمام نعمتیں اس دین کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں، حتی کہ مادی نعمتیں اور دنیا کی حکومتیں بھی جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں افراد کو تونگری اور اُمتِ مسلمہ کو دنیا میں غلبہ نصیب ہوا تھا۔ زکوۃ وصول کرنے والا اور مسلمانوں کے لشکروں کے سامنے ٹھہرنے والا نہ ملتا۔ مسلمان بھی زمینوں پر حکومت کی بجائے دلوں پر حکومت کرتے، وہ اِن انسانوں کو اپنا بندہ بنانے اور ان پر اپنی اطاعت کے طوق کسنے کی بجائے اللہ کی بندگی اور عبادت کی تلقین کیا کرتے۔ خود بھی اللہ کے مطیع ہوتے اور ان کے محکوم بھی اسی ایک اللہ کے مطیع بنتے۔ یہی کلمہ توحید ہے، جس کی پاسداری کرنے والی قوم کو دنیا جہاں کی عظمتیں اور نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

---

1 سنن ابن ماجہ: ۴۱۰۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

کامیاب معاشرہ کون سا...؟

آج ہم مسلمان مغرب کے افکار سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہمارے عروج وزوال اور کامیابی وناکامی کے معیار بھی انہی سے اُدھار لیے ہوئے ہیں۔ کوئی بڑا نامی گرامی مسلمان اُٹھے گا اور کہے گا کہ اسلام نے سب سے پہلے فلاحی ریاست کا تصور دیا اور یہ فلاحی ریاست سب سے پہلے خلافتِ راشدہ میں قائم ہوئی، کوئی مسلمانوں کی سائنسی علوم میں ترقی کی تعریف کرے گا، کوئی مسلمانوں کے تمدن اور اُن کی علم دوستی کے گن گائے گا۔ یہ نظریات رکھنے والے لوگ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے دور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے دور کے مقابلے میں زیادہ مثالی اور قابل تقلید سمجھتے ہیں کیونکہ یہاں پہلی بار انتظامی ادارے، وظائف، افواج، اعداد وشمار، عسکری فتوحات مؤثر شکل میں نظر آتے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر مائیکل ہارٹ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تاریخ کا سب سے عظیم حکمران قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اُنہوں نے پہلی بار درج ذیل چیزیں متعارف کرائیں:

- فوج اور بحریہ بطور ریاستی ادارہ
- پولیس اور انٹیلی جنس، جاسوسی کا نظام
- ڈاک اور اطلاعات کے لیے تیز گھوڑوں کا نظام
- حادثات اور آفات سے بچاؤ کا نظام
- ادارہ احتساب
- حکومتوں کی ضلع اور صوبے میں تقسیم اور لوکل گورنمنٹ
- اَموال جمع کرنے کا ادارہ اور خود کفالتی منصوبے
- بنیادی ضروریات: روٹی، کپڑا اور مکان کی ریاستی ذمہ داری

ان سب کے خلاصہ کے طور پر ایک 'سماجی فلاحی ریاست' کو پیش کیا جاتا ہے اور محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے اقوال کی روشنی میں پاکستان کا مقصد بھی 'اسلامی فلاحی ریاست' کو قرار دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ 'فلاحی ریاست' دراصل اہل مغرب کی مادہ پرور اصطلاح ہے جس میں حکومت اپنے باشندوں کی سماجی اور مالی بہبود کی ضامن ہوتی ہے کہ ان کے لیے صحت، اور روزگار کمانے کے معقول انتظام ہوں۔ ان کے مطابق سب سے پہلے فلاحی ریاست کا

magazine.mohaddis.com

تصور ۱۸۹۴ء میں پیش کیا گیا ہے اور یورپ کی بعض ریاستیں ہی اس کے تقاضے پورے کرتی ہیں۔ اس تصور ریاست کے مطابق فلاحی ریاست کا حاکم عوام کا خادم ہوتا ہے، وہ ہمیشہ عوام کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچتا ہے اور وہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ ہمارے بھولے مسلمان بھی اسی تصور ریاست کو آئیڈیل بنا کر، حکمرانوں کو ان کے فرائض یاد کروانا اور اس کے قیام کا خواب آنکھوں میں سجانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس تصورِ ریاست میں دیکھیے کہ اللہ کی بندگی اور اس کی رضا کی جستجو کا کہیں کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کارناموں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس فلاحی ریاست کے تصور کے مطابق مدینہ منورہ کی نبوی ریاست بھی فلاحی نہیں کہلا سکتی۔ نعوذ باللہ

جبکہ اسلام نے جو مقصد کسی فرد کے لیے دیا ہے، وہی مقصد ایک معاشرے کے لیے بھی ہے۔ جس طرح کوئی مالدار اور باوسیلہ انسان، صرف اس بنا پر قابل تعریف نہیں بلکہ اس کی نیکی، تقویٰ، اسلامی احکام کی پاسداری کے معیار پر ہی اس کی تعریف کی جائے گی، مرنے کے بعد بھی لوگ انسان کے انہی اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہی صدقہ جاریہ باقی رہتا ہے۔ اسی طرح کوئی ریاست بھی اس بنا پر قابل تعریف نہیں کہ وہ بڑی مالدار ہے، یا اس کی عمارتیں بڑی شاندار ہیں، یا وہ معاشرہ بڑا باوسائل ہے، بلکہ اسلام کی رو سے اس کا جائزہ اس بنا پر لیا جائے گا کہ وہاں ہر معاملے میں اللہ کی بندگی کا انتظام کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کوئی شخص اگر بے نماز یا مشرک ہو تو وہ اسلام میں قابل تعریف نہیں، اسی طرح کوئی ریاست اگر الحاد و دہریت پر کاربند ہو، فحاشی و بے حیائی اور شراب و سود اس معاشرے کا عام چلن ہوں تو وہ معاشرہ بھی قابل تعریف نہیں کہلا سکتا۔ کسی معاشرے کے قابل تعریف ہونے کی کسوٹی اور معیار اللہ کی طاعت و بندگی ہے۔ جس میں اللہ کی مخلوقات کے حقوق بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»[1]

”میرا دور بہترین دور ہے، پھر اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور، پھر تابعین رحمہم اللہ کا...“

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے مثالی دور تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ نبی کریم کی ذات ہی زندگی کے ہر طبقے کے لیے اُسوہ حسنہ ہے، آپ کا یہ اُسوہ حسنہ صرف داعی و مبلغ،

۱ صحیح مسلم: ۲۱۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

امام و معلّم تک محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ انسانِ کامل اور ہر طبقہ حیات کے لیے مثالی ترین اُسوہ کا مقام رکھتے ہیں۔ آپ شوہر، بیٹا، بھائی، والد، ہمسایہ کے لحاظ سے اُسوۂ حسنہ ہونے کے ساتھ ساتھ بطور سیاستدان، حکمران، سپہ سالار، قاضی، میڈیا پرسن، معیشت دان اور ماہر سماجیات کے بھی مثالی نمونہ کے حامل ہیں۔ ایسا نہیں کہ ان کاموں کے لیے ہمیں مغرب کے انسان پرست نظام اور اس کی نگاہیں خیرہ کرنے والی ظاہری چمک دمک کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، اور وہاں سے حکمران یا ماہر سماجیات کا رول ماڈل ڈھونڈنا پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ نے انسانوں کے دلوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی، اور اس مضبوط عمارت کی بنیاد رکھی جس کے ثمرات، خلافتِ راشدہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں نظر آئے۔ لوگ تو آج سیدنا عمر بن خطاب کی تعریف کرتے ہیں، لیکن سیدنا عمرؓ کی تربیت جس نے کی تھی، وہ تو نبی کریم کی ذات تھی۔ سیدنا عمرؓ کے لیے بھی آپ کی ذات ہی بطورِ حکمران رول ماڈل تھی، اور انہیں بھی نبی کریم ﷺ نے اس سانچے میں ڈھالا تھا۔ سیدنا عمر کے دور کی تعریف کرنے والے، ان کے دور کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں جو اُن کا نظریہ ہے، جب کہ اس دور کی اصل تعریف یہ ہے کہ وہاں اللہ کے احکام کی پاسداری بھرپور طور پر کی جاتی تھی۔ سیدنا عمر اپنے حکام کے سلسلے میں نماز کی پابندی کو سب سے زیادہ اہمیت[1] دیتے، اور اللہ کی سرزمین میں اس اعتماد سے حکومت کرتے تھے کہ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ آپ نے مصر کے دریائے نیل کے بند ہو جانے پر اس کو حکم دیا تھا کہ اگر تجھ پر اللہ کا حکم چلتا ہے تو اُس مخلوق پر اپنی روانی جاری رکھ جو اللہ کے احکام کی پاسداری کرتی ہے، اس کے بعد دریائے نیل کبھی رکا نہیں۔ جب اٹھارویں صدی ہجری (عام الرمادہ) میں حجاز میں قحط پڑ گیا، تو انتظامی تدبیروں سے پہلے سیدنا عمرؓ نے اہل حجاز کے اللہ سے تعلق کا محاسبہ کیا اور فرماتے:

"اتقوا الله فيما أنفسكم وفيما غاب عن الناس من أمركم، فقد ابتُليتُ بكم وابتُليتم بي، فما أدري السُّخطة عليَّ دونكم أو عليكم

1 حکام کو فرمان عمر رضی اللہ عنہ: إِنَّ أَهَمَّ أُمُورِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةَ، مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِينَهُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِسِوَاهَا أَضْيَعُ "میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز ہے۔ جو اس کا محافظ اور اس کی نگہداشت کرتا ہے، وہ اپنے دین کا بھی محافظ ہے۔ اور جس نے اسے ضائع کر دیا، وہ اس کے ماسوا ذمہ داریوں کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔" (مصنف عبد الرزاق: ۲۰۳۸)

magazine.mohaddis.com

دوني أو قد عمَّتْني وعمَّتْكم فهلمُّوا فلندعُ الله يصلح قلوبنا وأن يرحمنا... وهو يقول: اللهم لا تجعلْ هلاك أمة محمد علىٰ يديَّ"[1]

"اپنے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان اعمال کے بارے میں جو لوگوں سے مخفی ہیں۔ یقیناً تمہاری وجہ سے میری اور میری وجہ سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ کی ناراضی مجھ سے ہے، یا میری بجائے تم سے ہے یا یہ ناراضی مجھ اور تم دونوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ آؤ، اللہ سے دعا کریں کہ ہمارے دلوں کی اصلاح فرما دے اور ہم پر رحم کر دے۔ آپ یوں اللہ سے فریاد کیا کرتے: یا الٰہی! اُمتِ محمدیہ کو ان کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار نہ کر دے۔"

اگر اسلامی فلاحی ریاست بنانا مقصود ہے، تو ہمیں فلاح کے سلسلے میں مغرب اور اسلام کے تصورات میں امتیاز کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ قرآن کی رو سے "کامیاب انسان وہ ہے جو آگ سے بچ گیا اور جنت کا مستحق بن گیا"[2]، جبکہ اہل مغرب کا تصور فلاح ہی خالص دنیوی اور مادی ہے۔ اسلام کی رو سے مسلمانوں کی سب سے اہم فلاح، ان کو دین کے احکامات پر عمل کرانا ہے، تاکہ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب انسان بن سکیں، جبکہ اہل مغرب کے ہاں دین، انتشار پھیلاتا اور قوم کو فرقہ واریت میں تقسیم کرتا ہے، اس کو قومی واجتماعی معاملات میں سرے سے دخیل ہی نہیں ہونا چاہیے۔ دونوں میں بنیادی نظریہ میں ہی فرق ہے۔

ایمان اور عمل صالح کے بغیر مسلم معاشرہ ترقی نہیں پا سکتا!

نبی کریم نے اپنی دعوت و تبلیغ اور عملی مثال کے ذریعے سب سے مرکزی کام مکمل کیا۔ لوگوں کو اللہ کا بندہ بنایا، ان کو اللہ کی بندگی سے منسلک کیا۔ اور یہی فریضہ اللہ تعالیٰ نے قرآن

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۲۲، ۳۱۲

۲ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۸۵) "ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا عارضی سامان ہے۔"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کریم میں مسلم حکومت کا بیان[1] کیا ہے۔ عبادات کے ذریعے فرد اور معاشرے کی درست سمت پر تشکیل ہوتی ہے۔ اگر شخصیت کی تشکیل درست زاویوں پر نہ ہو، انسان کے رجحانات اور ترجیحات کا واضح تعین نہ ہو تو یہ انسان دنیا جہاں کی تمام صلاحیت رکھنے کے باوجود، مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اللہ سے تعلق اور اس پر ایمان بہت لازوال قوت ہے، یہ قوت انسانوں کو زندگی میں متوازن رکھتی ہے۔ اس قوت کے بغیر بہت بڑی جماعت بھی بے وزن ہو جاتی ہے۔ ذیل میں اس کی بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

① آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا». فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ». فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا الْوَهْنُ قَالَ: «حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ»[2]

"عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح کھانے والے تھال پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کہنے والے نے کہا کہ کیا ہم اس دن کم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: نہیں بلکہ تم اس وقت کثیر تعداد میں ہوگے، لیکن تم خس وخاشاک کی طرح ہوگے، جس طرح سیلاب پر خس وخاشاک بہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہارا رعب ختم کر دیں گے اور تمہارے دلوں میں 'وہن' کی بیماری ہوگی۔ کہنے والے نے پوچھا: یارسول اللہ! وہن کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔"

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کی کثرت اور ان کو حاصل دنیا جہاں کی نعمتیں کس طرح بے وقعت اور ریت کا ڈھیر بن جاتی ہیں جب ان میں دنیا کی بے پایاں محبت پیدا ہو جائے اور اللہ کا ڈر جاتا رہے۔ جب انسان دنیوی مفادات کو اہمیت دینا شروع کر دیں تو پھر

۱ ﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّـهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج:۴۱) "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں انہیں حکومت دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

۲ سنن ابی داود: ۴۲۹۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپس کے سر پھٹول اور باہمی اختلافات سے ہی نجات نہیں ملتی اور یہ کسی اجتماعیت کے لیے سب سے نقصان دہ امر ہے۔ کسی اجتماعیت کے آپس میں سیسہ پلائی دیوار ہونے کے لیے کوئی ایسا نظریہ ہونا چاہیے جو باہمی مفادات کی جنگ سے بلند کر کے، تمام انسانوں کو اس جھنڈے تلے متحد کر دے اور یہ جھنڈا ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے کلمہ کی سربلندی کا مبارک ترین فرض ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی انسان دوسرے انسان کی حکومت دیر تک برداشت نہیں کر سکتا، لیکن اللہ مالک الملک کی حکومت وحاکمیت اور بندگی وطاعت میں انسان اس وقت تک اطمینان سے زندگی بسر کر سکتے ہیں جب تک اللہ کی حکومت قائم رہے اور جب اللہ کی حکومت ختم ہو کر، اللہ کی حاکمیت کے نام پر انسان اپنے جیسے انسانوں کا غلام بن جائے تو پھر آپس میں اتحاد واتفاق کا نظریہ ختم اور باہمی جنگ شروع، مفادات کی اس جنگ میں کبھی کوئی غالب اور کبھی کوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے 'حبل اللہ' اللہ کی رسّی کو ہی مرکز قرار دیا، اور اس پر سب کو جم جانے اور اختلافات ختم کرنے کا حکم دیا، اس کو اپنا بہت بڑا انعام بتایا کہ اللہ نے اتفاق کا ایک کلمہ اور عقیدہ عطا کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:

﴿ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ ﴾[1]

"ان کے دلوں میں باہمی اُلفت بھی اُسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے، تو اگر سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا ہے تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں اُلفت ڈال دی ہے۔ وہ غالب حکمتوں والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے، جس کے سبب تمام مسلمان بھائی بھائی بن کر متحد و متفق ہو گئے۔ اور کسی قوم کے لیے اتحاد واتفاق سب سے بڑی نعمت ہے۔ قوم کی اجتماعیت سب سے بڑی قوت ہے، اس کے بغیر قوم منتشر افراد کا ریوڑ ہے۔ اسلام نے ہمیں اجتماعیت کا محور عطا کیا:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ ﴾

[1] سورۃ الانفال: ۶۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی، تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔''[1]

کسی قوم وملت کے لیے سب سے بڑا انعام باہمی اتفاق واتحاد ہے اور یہ اتفاق واتحاد کسی نظریہ پر ہی ہو سکتا ہے، ایسا نظریہ جو باہمی مفادات سے بالاتر ہو۔ اس لحاظ سے اُلفت کا پیدا کرنا بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے اور اُلفت کا مرکز عطا کرنا، یعنی اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت، اس کے کلمہ کی سربلندی اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد، یہ بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اسلام نے ہمیں اتحاد واتفاق کے مراکز عطا کیے یعنی اللہ کا قرآن اور نبی کا فرمان... قرآن اور ذاتِ نبوت، جس میں آپ ﷺ کا قول وفعل بھی شامل ہے اور یہی مسلمانوں کے مرکزِ وحدت ہیں۔

② جب انسانوں کی نظر باہمی مفادات پر ہی ہو، ان کی ہدایت کا کوئی مرکز ومنبع نہ ہو تو پھر سائنس وٹیکنالوجی، طاقت ودولت انسانوں کے لیے رحمت ہونے کے بجائے باعثِ زحمت بن جاتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق موجودہ مغربی اقوام سے ہوتی ہے۔ بیسویں صدی میں مغربی قوموں نے بے تحاشا عسکری طاقت جمع کرلی، دنیا بھر کے مال ودولت پر قابض ہو گئے، عالم اسلام سمیت پوری دنیا ان کے زیر نگین ہو گئی۔ لیکن یہ قومیں سائنس وٹیکنالوجی کے عروج کے بعد، آپس میں ہی برسرپیکار ہو گئیں۔ جنگ عظیم اوّل اور دوم مغربی اقوام کے مابین ہی لڑی گئیں اور مسلم اقوام ان جنگوں میں اُن کے حاشیہ نشین سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ انہی جنگوں میں استعماری طاقتوں کی کمزوری نے دنیا بھر میں ان کی حکومتوں کو منتشر کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے درجنوں مسلم ممالک زمین کے سینے پر عالم وجود میں آ گئے۔ ان جنگوں میں انسانیت کو اتنا بڑا نقصان پہنچا جتنا اس سے قبل کی اُنیس صدیوں کی تمام جنگوں کی مجموعی ہلاکتوں میں نہیں پہنچا تھا۔ سائنس کا تو کوئی ذہن اور شعور ودماغ نہیں ہوتا۔ اس سائنس نے انسان کی ہلاکت کے ایسے ہتھیار بنائے کہ انسانیت کی سب سے بڑی مجرم یہی سائنس بنی جو انسان کی بڑی محسن کہلاتی ہے۔ اس سائنس کے

1 سورۃ آل عمران: ۱۰۳

magazine.mohaddis.com

ذریعے انسانیت کو ایسے المناک سانحوں سے گزرنا پڑا جس نے انسان کی نسلوں کو مسخ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ سائنس تو محض ایک آلہ ہے، دولت واختیار بھی مقاصد کو پانے کا ایک وسیلہ ہے، لیکن مقاصد کا تعین اس سے بلند تر چیز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دین کو بھیجا ہے جو زندگی، دولت، طاقت اور سائنس کو ایک واضح مقصدیت عطا کرتا ہے۔

③ پاکستان میں اس کی تازہ مثال ملاحظہ ہو کہ جب انسان کا ایمان مضبوط نہ ہو، مقصد زندگی واضح نہ ہو، ربّ کی بجائے وہ درہم ودینار اور دنیوی مفادات، اختیار واقتدار کا اسیر ہو تو جنرل مشرف جیسے المیے وجود میں آتے ہیں۔ پاکستانی قوم چودہ برسوں سے وحشت ناک قتل وغارت کا شکار ہے، پوری قوم ایک دوسرے کے ساتھ جنگ آزما ہے، نظریاتی بحران اور فکری جنگ زوروں پر ہے۔ طالبان مخالفت اور طالبان حمایت نے ہمارے اعصاب شل کر دیے ہیں، اس جنگ نے ہماری معیشت، معاشرت اور سیاست وعدل پر اَن مٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ یہ جنگ بھی ایک فرد کی جاہ پرستی اور ڈالر پسندی کا شاخسانہ ہے۔ اگر پرویز مشرف اس وقت پاکستان کا یوں غاصب حکمران نہ ہوتا، اس کو ڈالروں کی یوں ہوس نہ ہوتی تو آج پوری قوم اس جرنیل کی سپر اندازی کی یہ بدترین قیمت نہ بھگت رہی ہوتی۔ اگر اس کا ایمان محفوظ ہوتا، دنیا کے مفادات اور ڈالر پونڈ اس کے سامنے ایمان سے زیادہ قیمتی نہ ہوتے تو آج پاکستان امریکہ کی اس جنگ کا بدترین شکار نہ ہوتا اور یوں پاکستانی افواج اور سرحدی صوبے کے بازوئے شمشیر زن آپس میں سربکف نہ ہوتے۔ ایمان انسان کو بکنے نہیں دیتا اور دنیا کے ملکی مفادات کے لیے جھکنے نہیں دیتا۔

دین یعنی اللہ کی بندگی انسان کو یہ شعور عطا کرتی اور اس میں یہ حوصلہ پیدا کرتی ہے کہ وہ ملکی مفادات کے لیے اپنے ایمان کو نہ بیچے، آخرت کی دائمی نعمتوں کو دنیا کے ارزاں دام پر فروخت نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت یوں کی تھی کہ اللہ کی بندگی کو وہ ہر شے پر مقدم رکھتے۔ چنانچہ خیبر والوں سے خراج لینے کے لیے نبی کریم ﷺ عبد اللہ بن رواحہ کو ہر سال بھیجا کرتے، ان کا رویہ مشاہدہ کریں:

فَيَخْرُصُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ يَهُودِ خَيْبَرَ قَالَ فَجَمَعُوا لَهُ حَلْيًا مِنْ حَلْيِ نِسَائِهِمْ فَقَالُوا لَهُ هَذَا لَكَ وَخَفِّفْ عَنَّا وَتَجَاوَزْ فِي الْقَسْمِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ وَاللَّهِ إِنَّكُمْ لَمِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللَّهِ إِلَيَّ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

وَمَا ذَاكَ بِحَامِلِي عَلَى أَنْ أَحِيفَ عَلَيْكُمْ فَأَمَّا مَا عَرَضْتُمْ مِنَ الرَّشْوَةِ فَإِنَّهَا سُحْتٌ وَإِنَّا لَا نَأْكُلُهَا فَقَالُوا: بِهَذَا قَامَتْ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ[1]

''وہ خیبر والوں کے مال کا اندازہ لگایا کرتے۔ یہود نے اپنی خواتین کے کپڑے زیورات ان کے لیے جمع کیے اور کہا کہ عبداللہ یہ آپ کے لیے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ نرمی کریں اور اس حصہ میں کمی کریں۔ عبد اللہ بن رواحہ بولے: اے یہودیو! اللہ کی قسم! میرے نزدیک تم اللہ کی بدترین مخلوق ہو، میں یہ لینے والا نہیں کہ تمہارے ساتھ مل جاؤں۔ جو تم نے مجھے رشوت پیش کی ہے، وہ حرام مال ہے جسے ہم ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہودی کہہ اُٹھے کہ اسی لیے آسمان وزمین قائم ہیں۔''

بعض احادیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَلَقَدْ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ کہ ''میں تمہارے پاس انسانوں میں سے محبوب ترین شخصیت کے پاس سے آیا ہوں۔'' اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی انسان کا دل اللہ کی رضا کا طالب ہو جائے، اس کے نفس کی اصلاح ہو جائے تو اس کے رویوں کی اصلاح ہوتی ہے، اس کے رویوں سے اس کے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ وہ اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتا، اس کا ایمان اس کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ یہاں دھوکا کرے گا تو اللہ مالک الملک اس کے مال سے برکت اُٹھا لے گا، اور اس کو کہیں اور سے بدترین گھاٹا پڑ جائے گا، اس طرح وہ اپنی قوم کا بھی امین بن جاتا ہے۔ ایمان اور بندگی صرف اللہ سے تعلق کی ہی اصلاح نہیں کرتے، قومی کردار کی بھی تشکیل کرتے اور معاشرے میں خیر وبرکات کا سبب بنتے ہیں۔ اسلام ہمیں اس بات کی ہی تلقین کرتا ہے۔

جہاں تک اہل مغرب کی ظاہری کامیابی کی بات ہے تو اوّل تو یہ صرف اسی دنیا کی کامیابی ہے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، اس لیے وہ مسلمانوں کے لیے مثال نہیں بن سکتے۔ پھر ان کے اموال ونعمتیں ان پر اللہ کی رضامندی کی دلیل نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ اللہ گناہوں پر فوری گرفت نہیں کرتے اور اس پر بہت سی آیاتِ کریمہ شاہد ہیں۔ یوں بھی دنیا دار الجزا نہیں، دار العمل ہے، اصل فیصلے اور بدلے محشر میں ہونے ہیں۔

پھر اہل مغرب کا اللہ کی نعمتوں سے مزے اُڑانے کا نظریہ بھی صحیح نہیں، بلکہ یہ دیگر اقوام

1 موطا امام مالک: باب ماجاء فی المساقاۃ

magazine.mohaddis.com

سے لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت گری کا نتیجہ ہیں۔ مغربی اقوام جتنا ظلم دیگر اقوام پر کرتی ہیں، اس کا معمولی نقشہ امریکہ گردی کی صورت میں افغانستان، عراق اور پاکستان میں دیکھا جاسکتا ہے۔ آج بھی دنیا جہاں کے خزانے عالم اسلام میں ہیں، اور مغربی اقوام ان کو ہتھیانے کے لیے ہر تدبیر آزمارہی ہیں۔ جب کوئی قوم اللہ کی بندگی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی نعمتیں اس پر کھول دیتے ہیں، اس کی زمین خزانے اگلتی ہے، اور مسلم دنیا میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔ تیل، سونے، کوئلے، دھاتیں، تجارتی راستے سب مسلم اُمہ کے پاس ہیں، اس سے بڑھ کر نوجوانان ملت کی بہت بڑی تعداد... اگر کمی ہے تو طاقتِ ایمانی کی ہے، یہ ایمانی کمزوری کا ہی شاخسانہ ہے کہ مسلمان آپس میں متحد نہیں ہوتے اور دین کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

پھر اہل مغرب کی موجودہ کامیابی یا مال ودولت اُن کی زندگیوں کا محض ایک چمکدار رُخ ہے، وگرنہ یہ ظاہری مادی آسائشیں، گھروں کا سکون، خوشی واطمینان اور رشتوں کا خون کرکے اُنہوں نے حاصل کی ہیں۔ مال ودولت ہی سب سے بڑی نعمت نہیں بلکہ کامیاب اور خوش گوار ومطمئن زندگی سب سے بڑی دولت ہے، جس کیلیے مغرب کے باشندے اپنا وقت نائٹ کلبوں میں گزارتے اور شراب ومنشیات کی سرمستیوں میں مگن رہ کر مشینوں سے دل بہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو اصلاح اور کامیابی کا راستہ بتادیا ہے۔ انبیا جس مشن کو لے کر آتے ہیں، اسی مشن کے احیا کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہے ہر میدان میں اللہ کی اطاعت، ہر نظام حیات کو اس کی رہنمائی میں چلانا، لوگوں کو اپنے جیسے لوگوں کی بندگی سے نکال کر اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی میں دینا، اسی کے لیے اپنے اوقات کو صرف کرنا۔ امام مالکؒ کا یاد گار فرمان ہے:

"لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها"[1]

"اس اُمت کے آخر کی اصلاح بھی اسی طرح ہوگی جیسے پہلے حصّہ کی اصلاح ہوئی۔"

سورۃ الزمر میں 'کامیابی کا راستہ' قوم فرعون کے ایک بندہ مؤمن کی زبانی بیان ہوا ہے:

﴿ وَ قَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ

[1] فتح المجید شرح کتاب التوحید از شیخ عبد الرحمن بن حسن تمیمی: ۱/۴۸۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَ اُشْرِکَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰہِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ ھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

''اور اس مؤمن شخص نے کہا کہ اے میری قوم! تم میری پیروی کرو، میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتلاتا ہوں۔ اے میری قوم! یہ حیاتِ دنیا متاعِ فانی ہے، اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔ جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ملے گا اور جس نے نیکی کی، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بغیر حساب رزق پائیں گے۔ اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے نہ آخرت میں، اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہل دوزخ ہیں۔ پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔''

ان آیاتِ کریمہ میں اس بندہ مؤمن نے اسلام کی دعوت کو ان چیزوں میں پیش کر کے اسے ہدایت کا راستہ بتایا ہے:

- دنیا مختصر وقت کا سامان، فانی اور آخرت دائمی گھر ہے۔
- ہر انسان کو اپنے اعمال کا سامنا کرنا اور کیے کا نتیجہ بھگتنا ہے، نیک اعمال کرنے والوں کو جنّت کا بدلہ ملے گا، جس میں اُنہیں بلا حساب رزق وانعام دیا جائے گا۔
- میں تمہیں اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا اور شرک ونافرمانی سے روکتا ہوں۔
- میری دعوت نجات کی دعوت اور تمہاری دعوت آگ کی دعوت ہے۔

magazine.mohaddis.com

- تمہاری دعوت کا دنیا میں کوئی مقام نہیں اور آخرت میں بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
- ایک دن تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی، میرے معاملات کا نگران اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

انبیاے کرام علیہم السلام کی دعوت و مشن یہی رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ بھی اسی مشن پر کاربند ہو کر عنقریب دنیا میں اسلام کا بول بالا کریں گے۔ جب اُن کو چند سو مسلمان اللہ جل جلالہٗ کی عبادت وعبدیت کے خوگر مل جائیں گے، جو اللہ کے حکم کو لاگو کرنے کے لیے اپنے رشتوں وناطوں، دنیوی مفادات اور تجارت ومعیشت کو خاطر میں نہ لائیں گے، اُن کی اطاعت کاملہ اختیار کریں گے تو دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ 'دورِ نبوی کے ان ۳۱۳ پیروکاروں کو' معاشرے میں سربلندی اور اپنے انعامات عطا کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کے ذریعے عرب کے بدترین معاشرے کے حالات چند ہی سالوں میں بدل کر، اُنہیں کامیاب فرد و معاشرہ بنا دیا تھا، اسی طرح عنقریب ظلم وزیادتی کی شکار اس دنیا میں چشم فلک اسلام کے عروج کے یہ مناظر دوبارہ دیکھے گی اور ہر کچے پکے گھر میں، عزت دے کر یا ذلّت سے دوچار کر کے، اسلام پوری شان وشوکت سے داخل ہو جائے گا۔

ہر انسان سے اللہ تعالیٰ کا تقاضا اس قدر ہے کہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں دین کو قائم کرے۔ اپنی ذات پر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور اسلامی اخلاق وآداب کو لاگو کرے، اور اپنے کنبے قبیلے پر یہ دین بقدرِ امکان قائم کر دے۔ اپنے کاروبار، تعلیم وملازمت، میل جول، رشتے ناطے، خرید وفروخت، رویے ورجحان اور فیصلوں میں اسی دین کو اختیار کرے۔ پھر اس چیز کی دعوت اپنے بھائیوں کو دے کہ اس پر اُن کا بھی حق ہے، اچھائی کی دعوت دے، برائی کے خاتمے کی کوشش کرے، اور دین کی جو نعمت اُسے حاصل ہوئی، ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

جب تک ہم اپنے فکر و نظر کے زاویے درست نہیں کرتے، اُنہیں ہدایتِ نبوی سے معمور نہیں کرتے اور قول و کردار کو اس کے مطابق استوار نہیں کرتے، لاکھ سر پٹکتے جائیں، کامیابی ہمارے قدم نہیں چومے گی۔ اگر کامیابی ہو گی تو وہ بھی یک رخی، غیر متوازن، عارضی اور صرف ایک دنیا کی حد تک... اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی صلاحیت دے اور ہمارے اہل فکر و دانش اور اربابِ اقتدار واختیار کو بھی توفیق مرحمت فرمائے۔

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مترجم: حافظ محمد اسحٰق طاہر
ابو مالک کمال بن سید سالم

منشیات کی حرمت، شراب نوشی کی سزا اور اَحکام

ہمارے معاشرے میں شراب نوشی اور اس کی شرعی سزا کے حوالے سے نت نئے شبہات پیدا کئے جاتے رہتے ہیں کہ یہ سزا قرآن کریم میں موجود نہیں، کبھی اس سزا کی شرعی حد ہونے اور اس میں کوڑوں کی تعداد پر اعتراض عائد کر دیا جاتا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے ایک انتہائی مفید بحث، جس کو جامعہ لاہور الاسلامیہ میں مجھے سبقاً سبقاً پڑھانے کا موقع ملا، کا اُردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس تحقیق میں احادیث سے براہِ راست استدلال کے ذریعے بڑے مؤثر انداز میں شراب نوشی کی حُرمت اور دیگر منشیات کے اَحکام بیان کر دیے گئے ہیں۔ یہ بحث عرب علما کے خاص علم و استدلال کی مظہر اور اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تحقیق ہے۔ اس بحث کو 'صحیح فقہ السنہ وادلتہ وتوضیح مذاہب الائمہ' سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب فقہی مذاہب کے مطالعے اور اُن کے موقف کو جاننے کے لیے، نیز راجح موقف کے تعین پر ایک مفید ترین تصنیف ہے، جو حال ہی میں ایک مصری عالم نے تالیف کی ہے۔ کتابِ مذکور میں سلفی علما مثلاً شیخ البانیؒ، شیخ ابن بازؒ اور ابن عثیمینؒ کے بہت سے فتاویٰ و استدلال کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے، نیز فقہی مواقف پر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ان کی صحت وضعف کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ح م

'خمر' کا مفہوم ومصداق

'شراب' کے لئے عربی زبان میں لفظ خمر استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع 'خمور' آتی ہے اور خمر کے لغوی معنیٰ ہے: 'ڈھانپنا'

۱ مدرس فقہ مقارن، جامعہ لاہور اسلامیہ [رحمانیہ]، گارڈن ٹاؤن، لاہور... فاضل مدینہ یونیورسٹی

magazine.mohaddis.com

خمر کا لفظ تانیث میں زیادہ مستعمل و مشہور ہے، اسی وجہ سے اس کے آخر میں تائے تانیث بھی آتی ہے جیسے: هٰذه خمرة. جب کہ مذکر استعمال بھی جائز ہے جیسے: هٰذا خمر.

خمر کی لغوی تحقیق

'القاموس المحیط' کے مصنف جناب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کا کہنا ہے:

''خمر' وہ ہے جو انگوروں کے رس سے کشید کی جائے، یا یہ عام (جو کسی بھی پھل سے بنائی جائے) ہے، حقیقت میں اسے عموم پر رکھنا ہی زیادہ راجح ہے، کیونکہ جب یہ حرام ہوئی تو مدینہ میں انگوروں سے شراب کا تصور نہیں تھا بلکہ وہ تو کچی پکی کھجوروں سے ہی شراب بناتے تھے۔''[1]

خمر کے لغوی اور شرعی معنیٰ میں مناسبت

① شراب پر لفظ 'خمر' کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ شراب کشید کرنے کے لئے برتن کے منہ کو اوپر سے ڈھانپا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس میں اُبال اور جوش کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

② عقل پر چھا جانے اور شعور کو ڈھانپ دینے کی وجہ سے یہ لفظ اس کے لئے مستعمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خمر میں یہ دونوں سبب موجود ہیں۔ شراب کو جوش مارنے اور تیار ہونے تک ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے، پھر اس کو پینے پر عقل و شعور میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور یہ عقل کو ڈھانپ دیتی ہے۔ لہٰذا خمر کو ان دونوں معانی میں استعمال کرنے پر اہل لغت کے ہاں کوئی مانع نہیں۔

'خمر' کی شرعی حقیقت

خمر کے لغوی معنی اور شرعی استعمال میں کچھ اختلاف کی بنا پر فقہا کے درمیان خمر کی حقیقت میں دو اقوال پائے جاتے ہیں۔[2]

پہلا قول: 'خمر' صرف وہ ہے جو آگ پر پکائے بغیر انگوروں کے رس سے کشید کی جائے، جب وہ

۱ القاموس المحیط، مادۃ 'خمر'

۲ ابن عابدین ۵/ ۲۸۸؛ الدسوقی ۴/ ۳۵۳، المغنی ۹/ ۱۵۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

طبعی حرارت سے اُبلنے اور جوش مارنے لگے اور اس کے اوپر جھاگ آجائے۔ یہ امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) اور بعض شافعی فقہا رحمہم اللہ کا موقف ہے۔

دوسرا قول: ہر نشہ آور مشروب کو 'خمر' کہتے ہیں، خواہ وہ انگوروں کے رس یا خشک انگور کو پانی میں بھگو کر بنائی جائے۔ اسے آگ پر پکایا جائے یا بغیر آگ کے اس میں نشہ پیدا ہو جائے۔ یہ جمہور علما کا موقف ہے۔

درحقیقت خمر کی تعریف و اطلاق میں فقہا کے مابین اس اختلاف کو رسول اکرم ﷺ نے جامع تعریف کر کے ہمیں تکلف اور لاحاصل اختلاف سے بے نیاز کر دیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كل مُسكِرٍ خمر و كل مسكر حرام»[1]

''ہر نشہ آور چیز 'خمر' ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دو طرح کے مشروب جو ہم یمن میں استعمال کرتے تھے: ایک البِتْع جو شہد سے بنتا ہے حتیٰ کہ اس میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرا المِزْر جو مکئی اور جَو کو پانی میں بھگو کر تیار ہوتا تھا حتیٰ کہ اس میں نشہ پیدا ہو جاتا، اِن کے متعلق میں نے رسول اکرم ﷺ سے استفسار کیا تو (جوامع الکلم سے متصف) پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كل مُسكر حرام»[2] ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

فصاحت و بلاغت سے متصف رسول علیہ السلام نے اس تعریف کے ذریعے ہر نشہ آور چیز کو 'خمر' کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسکرات کی بعض انواع کو خمر کا نام دے کر دیگر (انواع) کو اس سے خارج کر دینا غلط فہمی اور ایک عام لفظ کو بلا دلیل خاص کر دینا ہے۔ مزید برآں اس مسئلہ میں وارد احادیث بھی اس موقف کو باطل کر دیتی ہیں کہ خمر صرف انگوروں سے بنائی ہوئی شراب کے ساتھ خاص ہے۔ ان احادیث میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

۱ صحیح مسلم: ۲۰۰۳
۲ صحیح بخاری: ۴۳۴۳؛ صحیح مسلم: ۱۷۳۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

① حضرت انس بیان فرماتے ہیں کہ

إِنَّ الْخَمْرَ حُرِّمَتْ، وَالْخَمْرُ يَوْمَئِذٍ الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ[1]

"شراب حرام ہوئی تو ان دنوں کچی پکی کھجوروں سے ہی شراب بنائی جاتی تھی۔"

② حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ

لَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ الآيَةَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ فِيهَا الْخَمْرَ وَمَا بِالْمَدِينَةِ شَرَابٌ يُشْرَبُ إِلاَّ مِنْ تَمْرٍ[2]

"جب اللہ تعالیٰ نے تحریم خمر کی آیت نازل فرمائی تو اس وقت مدینہ میں کھجوروں کی شراب ہی نوش کی جاتی تھی۔"

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

وَمَا نَجِدُ - يَعْنِي بِالْمَدِينَةِ - خَمْرَ الأَعْنَابِ إِلاَّ قَلِيلاً، وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ[3]

"ہمارے پاس مدینے میں انگوروں کی شراب بہت کم تھی، بلکہ عام طور پر ہمارے ہاں کچی پکی کھجوروں سے ہی شراب بنتی تھی۔"

③ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ

نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَإِنَّ فِي الْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ لِخَمْسَةَ أَشْرِبَةٍ، مَا فِيهَا شَرَابُ الْعِنَبِ[4]

"جب شراب حرام ہوئی تو اس وقت مدینہ میں پانچ قسم کی شراب تیار ہوتی تھی، اور اُن میں انگوروں کی شراب نہیں تھی۔"

④ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گندم، جَو، خشک انگور، کھجور اور شہد، ان میں سے ہر ایک سے شراب بنتی ہے۔"[5]

---

۱ صحیح بخاری: ۵۵۸۴؛ صحیح مسلم: ۱۹۸۰

۲ صحیح مسلم: ۱۹۸۲

۳ صحیح بخاری: ۵۵۸۰

۴ صحیح بخاری: ۴۶۱۶؛ صحیح مسلم ۳۰۳۲

۵ سنن ابی داؤد: ۳۶۵۹؛ جامع ترمذی: ۱۹۳۴؛ سنن ابن ماجہ: ۳۳۷۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

⑤ عبد اللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْعَسَلِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ، وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ[1]

'' شراب حرام ہو چکی اور وہ پانچ اشیا سے تیار ہوتی ہے: انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو۔ لہٰذا ہر وہ چیز خمر ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔''

مندرجہ بالا احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ انگوروں کے علاوہ دیگر اشیا پر بھی 'خمر' کا اطلاق باعتبارِ لغت صحیح ہے۔ قرآن میں 'خمر' کی تحریم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا ہے، اس لئے انگوروں کے علاوہ دیگر اشیا سے تیار کردہ شراب کو 'خمر' کے حکم میں قیاساً داخل کرنا محض تکلف ہے، جب کہ قیاس خود ایک مختلف فیہ امر ہے، البتہ قیاس کو اضافی دلیل کے طور پر یہاں لیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ تو قیاسِ جلی ہے جو قیاس کی اعلیٰ وارفع قسم ہے یعنی یہاں ارکانِ قیاس میں سے فرع تمام اوصاف میں اصل کے مساوی ہے۔

یہاں یہ امر باعثِ تعجب ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب عام طور پر قیاس کو لینے اور اخبار آحاد پر ترجیح دینے میں انتہائی حد تک چلے جاتے ہیں، جب کہ یہاں وہ قیاسِ جلی کو لینے سے احتراز برتتے نظر آتے ہیں جس کی تائید کتاب وسنت کی نصوص سے ہو رہی ہے۔[2]

شراب نوشی حرام ہے، چاہے کم ہو یا زیادہ

شارع نے ایک قطرہ شراب بھی حرام قرار دیا ہے، اگرچہ اس سے کوئی زیادہ فساد ظاہر نہیں ہوتا، لیکن یہ زیادہ پینے کا ذریعہ بن سکتی ہے، لہٰذا یہ سدِ ذریعہ کے طور پر حرام ہے۔[3]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كل مُسكر حرام، وما أسكر كثيره فقليله حرام»[4]

2014

۱ صحیح بخاری: ۵۵۸۱؛ صحیح مسلم: ۳۰۳۲

۲ تہذیب السنن از ابن قیم: ۵/ ۲۶۲؛ تفسیر قرطبی: ۶/ ۲۹۵

۳ اغاثۃ اللہفان فی مقاصد الشیطان: ۱/ ۳۶۱

۴ سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۲؛ سنن النسائی: ۸/ ۲۹۷، ۳۰۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ پیدا کرے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كلّ مُسكر حرام، وما أسكر الفرق منه فملء الكف منه حرام»[1]

"ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس چیز کا ایک 'فرق'[2] نشہ پیدا کرے، اس کا چلّو بھر بھی حرام ہے۔"

چرس، افیون اور دیگر منشیات حرام ہیں، شراب کی طرح ان میں بھی حدّ لگے گی:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كل مسكر خمر وكل مسكر حرام»[3]

"ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"

یہ حیثیت ہر نشہ آور چیز کو شامل ہے، چاہے وہ نشہ آور کھانے کی چیز ہو یا پینے کی، جامد ہو یا مائع، اگر وہ شراب کی تاثیر رکھتی ہے تو حرام ہے، اگر کوئی حشیش، چرس وغیرہ کو مائع شکل میں ڈھال کر پی لے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ جوامع الکلم سے متصف تھے۔ آپ ایسا جامع لفظ بولتے جو استعمال کے اعتبار سے عام اور اپنے مفہوم میں شامل تمام اشیا پر مشتمل ہوتا، چاہے وہ آپ کے زمانہ میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو کہ آپ ﷺ کی صحبت میں کسب علم و فیض کرتے رہے اور آپ ﷺ کی حدیث کو اُن سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا) اُن کا بھی یہی کہنا ہے:

«الخمر ما خامر العقل»[5] یعنی شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔"

---

۱ جامع ترمذی: ۱۸۶۶؛ سنن ابی داؤد: ۳۶۸۷

۲ 'فرق' وزن کا ایک پیمانہ ہے جس میں تین صاع یا ۱۶ رطل (تقریباً ۶.۲۹ کلوگرام بمطابق حجازی صاع)۔ 'اسلامی اوزان' از فاروق اصغر صارم: ص ۶۲، ۶۱؛ لغات حدیث از علامہ وحید الزماں: ۳/ ۴۱۵

۳ صحیح مسلم: ۲۰۰۳

۴ مجموع فتاویٰ: ۳۴/ ۲۰۴

۵ صحیح بخاری: ۵۵۸۱؛ مسلم: ۳۰۳۲ (موقوف عن عمر بن الخطاب)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مزید برآں عقل صحیح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فرضِ محال آپ ﷺ کے الفاظ ہر نشہ آور چیز کو خمر کا نام دینے میں شامل نہ بھی ہوں، تاہم قیاسِ صحیح وصریح جس میں اصل وفرع ہر اعتبار سے برابر ہوں، تو اس کا فیصلہ یہی درست ہے کہ مُسکر کی تمام انواع واقسام ایک ہی حکم میں داخل ہیں۔ لہٰذا ان انواع میں فرق کرنا متماثلین کے درمیان فرق کرنے کے قبیل سے ہوگا اور یہ عقل وقیاس صحیح کے خلاف ہے۔[1]

اس بنا پر منشیات کی تمام اقسام (چرس، افیون، ہیروئن وغیرہ) حرام ہیں اور ان پر خمر (شراب) کا نام صادق آتا ہے کیونکہ یہ نشہ آور ہیں اور عقل ماؤف کر دیتی ہیں۔ فاسق وفاجر لوگ سرور ومستی کی کیفیت طاری کرنے کیلئے انہیں لیتے ہیں اور یہی اوصاف شراب میں پائے جاتے ہیں۔

مذاہب اربعہ اور دیگر فقہا نے بالاتفاق ان کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے[2]۔ لیکن ان کے خیال میں اس کے قلیل استعمال (جس میں نشہ نہ ہو) میں حرمت نہیں بلکہ نشہ آور مقدار کا استعمال حرام ہے۔ حالانکہ تحقیق اس بات کی متقاضی ہے کہ ان منشیات کے حرام ہونے پر اتفاق کے بعد، نصوصِ کتاب وسنت کے تحت اُن پر 'خمر' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اِن کو خمر سے الگ حکم دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اِن میں شراب کے مفاسد جیسا کہ عقل میں فساد، بے ہودگی اور سرور وبدمستی کے علاوہ دین، عقل، اخلاق اور مزاج میں ضرر واضح نظر آتا ہے، بلکہ یہ انسان کی طبیعت ومزاج کو پاگل پن کی حد تک متاثر کرتے ہیں اور ان کو استعمال کرنے والا گراوٹ وپستی اور ذلّت میں شراب نوشی کرنے والے سے بھی نیچے جا گرتا ہے، چونکہ ان کے مفاسد واضرار شراب سے بڑھ کر ہیں، لہٰذا یہ بالاولیٰ حرام ہیں اور ان کو 'خمر' کا نام دینا بالکل صحیح ہے، اور ان کی قلیل مقدار بھی کثیر کی طرح حرام ہی ہے اور ان کے استعمال کرنے والے کو حد خمر لگے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) کا کہنا ہے:

''شریعت کا قاعدہ ہے کہ وہ حرام اشیا جن میں انسانی نفوس رغبت رکھتے ہیں، ان کے

1 زاد المعاد: ۵/ ۷۴۹

2 ابن عابدین: ۴/ ۴۲؛ الدسوقی: ۴/ ۳۵۲؛ مغنی المحتاج: ۴/ ۱۸۷؛ الانصاف: ۱۰/ ۲۲۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ارتکاب پر حد لازم ہے جیسا کہ شراب اور زنا اور جس میں رغبت نہیں جیسا کہ مردار کا استعمال تھا، اس میں تعزیر ہے۔ چرس اور افیون ان اشیا سے تعلق رکھتی ہیں جن میں ان کے استعمال کرنے والے رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور اسے چھوڑ نہیں سکتے تو اس کے استعمال پر بھی حد لگے گی۔ بر خلاف بھنگ وغیرہ کے جو کہ بغیر نشہ کے عقل کو فاسد کرتے ہیں اور لوگوں کو اس میں خواہش اور رغبت نہیں ہوتی تو اس کے استعمال پر تعزیر ہے۔"[1]

شراب نوشی کی سزا

اکثر اہل علم کا یہ موقف ہے بلکہ اس پر کئی علما نے اجماع نقل کیا ہے کہ شریعت میں شرب خمر پر حد کی صورت میں معین سزا موجود ہے۔[2] شراب نوشی کے بارے میں بہت سی احادیث اور صحابہ کرام کا اجماع موجود ہے کہ اس پر کوڑوں کی سزا ہو گی۔ البتہ کوڑوں کی مقدار میں دو اقوال موجود ہیں:[3]

پہلا قول

حد کی مقدار ۴۰ کوڑے ہیں۔ یہ امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد (م ۲۴۱ھ) رحمہما اللہ سے ایک روایت، داؤد (م ۲۷۰ھ)، ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کا موقف ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف رہا ہے۔

اس موقف کے دلائل درج ذیل ہیں:

عن أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ أَرْبَعِينَ[4]

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ شراب پینے پر جوتوں اور چھڑیوں کی چالیس ضربیں لگوایا کرتے تھے۔

۱ مجموع فتاوی: ۳۴/ ۲۱۴

۲ ابن حزم، قاضی عیاض، ابن قدامہ اور ابن حجر وغیرہم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۳ ابن عابدین: ۵/ ۲۸۹؛ مغنی المحتاج: ۴/ ۱۸۷؛ المحلی: ۱۱/ ۳۶۵؛ المغنی ۹/ ۱۳۷

۴ صحیح مسلم: ۱۷۰۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ پر شراب نوشی کے مقدمہ میں حضرت علیؓ کو کوڑوں کے ساتھ سزا کی تنفیذ کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جعفر سے کوڑے مارنے کو کہا، جب چالیس کوڑے ہوئے تو رکنے کا کہا اور کہنے لگے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگوائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اَسّی (۸۰) کوڑے لگوائے۔ یہ سب سنت ہے لیکن چالیس کا موقف مجھے پسند ہے۔[1]

③ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ابتدائی دور میں اگر ہمارے پاس شراب نوش کو لایا جاتا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں وغیرہ سے پیٹتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور آیا تو اُنہوں نے چالیس کوڑے لگانے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ لوگ فسق و فجور اور شراب نوشی ار تکاب زیادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اَسّی (۸۰) کوڑے مقرر کر دیئے۔[2]

ان روایات سے یہ استدلال واضح ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی ادوار میں چالیس کا عدد ہی مقرر تھا اور جب لوگ شراب کے عادی ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑوں کا تعزیراً اضافہ کر دیا۔

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اگر میرے حد قائم کرنے سے کوئی فوت ہو جائے تو مجھے کوئی پروا نہیں سوائے شرابی کے، کہ اگر وہ حد کے نفاذ سے ہلاک ہو جائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس طرح حد مقرر نہیں فرمائی۔"[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان سے شراب نوش کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں کی کہ جس پر اضافہ نہ کیا جاسکے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت سے اضافہ کر دیا اور یہ اضافی عقوبت بطورِ تعزیر تھی، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں چالیس کوڑے ہی لگائے اور کہا کہ یہ موقف مجھے پسند ہے۔

2014

۱ صحیح مسلم: ۱۷۰۷
۲ صحیح بخاری: ۶۷۷۹
۳ صحیح بخاری: ۶۷۷۸؛ صحیح مسلم: ۱۷۰۷

magazine.mohaddis.com

دوسرا قول

حدِ شراب اَسّی (۸۰) کوڑے ہیں۔ یہ جمہور کا موقف ہے، ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، مالک، احمد رحمہم اللہ) اسی کے قائل ہیں۔ شافعیہ کے ہاں بھی یہی موقف پایا جاتا ہے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

① ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے حد خمر میں اسّی کوڑوں کا ذکر ملتا ہے۔[1]

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ نے اسے کھجور کی دو ٹہنیوں کے ساتھ چالیس کوڑے لگوائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کم از کم حد ۸۰ کوڑے (حد قذف) ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دے دیا۔[2]

اس موقف کے حاملین کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہو گئے اور یہ اجماع ہے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ جب کوئی نشہ کرتا ہے تو فضول بکتا ہے اور فضول بکواس میں لوگوں پر الزام لگاتا ہے او رالزام لگانے والے کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔[3]

لیکن یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت نہیں بلکہ پہلے یہ بات ثابت ہو چکی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف چالیس کا تھا۔

راجح موقف

دلائل کو دیکھتے ہوئے بطورِ حد چالیس کوڑوں کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور خلافت کے ابتدائی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فعل

۱ مصنف عبد الرزاق: ۷/ ۳۷۹ .... یہ حدیث مرسل، ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔
۲ صحیح مسلم: ۱۷۰۶
۳ موطا مالک: ۲/ ۸۴۲؛ سنن دار قطنی: ۳۵۴؛ الإرواء: ۲۳۷۸.... روایت ضعیف ہے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے جو اضافہ کیا، وہ حد سے زائد مقدار تعزیر کے طور پر تھی کیونکہ لوگوں میں شراب نوشی کی عادت بڑھتی جارہی تھی۔

اس موقف کی تائید دو طرح سے ہوتی ہے:

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑوں کی سزا میں بتدریج چالیس سے ساٹھ اور ساٹھ سے اَسّی کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے متعلق یہ روایت موجود ہے کہ پہلے اُنہوں نے چالیس کوڑوں کی سزا دی، پھر جب لوگوں کو دیکھا کہ باز نہیں آرہے تو اُسے ساٹھ کر دیا۔ پھر بھی لوگوں کے معمول میں کمی نہ آئی تو اسے بڑھا کر اَسّی (۸۰) کر دیا اور کہا کہ یہ کم از کم حد (حد قذف) ہے۔[1]

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ہی وقت میں مصلحت کے تحت مختلف مقدار میں (شراب پینے کی) سزا (چالیس، ساٹھ یا اَسّی) دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پاس ایک شرابی کو لایا گیا، آپ نے حضرت مطیع بن اسود کو حکم دیا کہ صبح اس پر حد نافذ کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں آئے اور دیکھا کہ وہ بہت زور سے کوڑے مار رہے تھے۔ آپ نے پوچھا:

③ کتنے کوڑے مار چکے ہیں؟ مطیع نے کہا: ساٹھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے بیس کوڑے کم کردو۔[2]

امام ابو عبید رحمہ اللہ (م ۲۲۴ھ) فرماتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا کہ شدید ضرب کو ان بیس کے قائم مقام سمجھو کہ جو اس کی سزا سے باقی ہیں۔"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) کا کہنا ہے کہ "اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سے زیادہ حد نہیں، اس لئے کہ اگر وہ حد ہوتی تو شدتِ ضرب کی وجہ سے اس میں کمی نہ کی جاتی کیونکہ ضرب میں شدت کی وجہ سے عدد میں کمی کا کوئی قائل نہیں ہے۔"[3]

اَسّی (۸۰) کوڑے حد ہونے کے قائلین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام سے مشاورت کے

---

۱ مصنف عبد الرزاق: ۱۳۵۴۷.... مرسل روایت

۲ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱۲/ ۷۵ میں اسے الغریب لأبی عبید کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳ سنن البیہقی: حدیث: ۱۷۳۰۴؛ فتح الباری: ۱۲/ ۷۵

magazine.mohaddis.com

بعد جو اجماعِ صحابہ کا دعویٰ کیا ہے، اس پر یہ اعتراض آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چالیس کے قائل تھے، پھر اجماع کا دعویٰ کیسا...؟

حاصل کلام یہی ہے کہ حد چالیس ہی ہے، تاہم قاضی مصلحت اور لوگوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے بطورِ تعزیر اس میں اضافہ کر سکتا ہے۔

حد خمر نافذ کرنے کا طریقہ

شراب نوشی کے حالات اور مصلحت کو دیکھتے ہوئے شراب نوش کو کھجور کی ٹہنی، ہاتھوں، جوتوں، کپڑوں اور کوڑوں سے حد لگائی جاسکتی ہے۔ اس پر سائب بن یزید کے الفاظ دلیل ہیں:

"ہم شراب پینے والے کو اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں سے مارتے۔"[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے میں کھجوروں کی ٹہنیوں اور جوتوں سے ضرب لگائی۔[2]

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ جبکہ جمہور کا موقف ہے کہ باقی حدود کی طرح شراب کی حد بھی کوڑوں سے لگائی جائے گی۔[3] کیونکہ ایک حدیث میں ہے:

«إذا شرب الخمر فاجلدوه»[4] "اگر کوئی شراب پیئے تو اسے کوڑے لگاؤ۔"

جمہور کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوش کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زانی کو حد لگانے کا حکم دیا ہے تو حدِ زنا کی طرح یہ سزا کوڑوں سے ہی ہوگی اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ خلفاے راشدین اور اُن کے بعد آنے والوں نے بھی کوڑوں سے ہی حد لگائی ہے۔ جن احادیث میں ہاتھوں اور جوتوں وغیرہ سے مارنے کا ذکر ہے، وہ شروع اسلام کی بات ہے، بعد میں کوڑوں سے سزا دینے پر شرع ثابت ہوگئی۔ یہی موقف قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

۱ اس مفہوم پر احادیث پچھلے صفحات پر گزر چکی ہیں۔

۲ ایضاً...

۳ الہدایۃ: ۲/ ۱۱۱؛ مغنی المحتاج: ۴/ ۱۷۹؛ المغنی: ۴/ ۳۵۴؛ مجموع الفتاوی: ۷/ ۴۸۳

۴ سنن ابی داؤد: ۴۴۸۴، حدیث صحیح ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حد لگاتے وقت شرابی پر لعن طعن کرنا جائز نہیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عبد اللہ نامی ایک شخص جس کا لقب 'حمار' تھا، وہ آپ کو باتیں سنا کر ہنسایا کرتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوڑے لگائے، اسے دوبارہ لایا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا دی، ایک آدمی کہنے لگا: اللہ اس پر لعنت کرے، اسے کس قدر بار بار لایا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نشے میں مبتلا ایک شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے سزا دینے کا حکم دیا۔ ہم میں سے کوئی اپنے ہاتھوں سے، کوئی اپنے جوتوں سے اور کوئی اپنے کپڑے سے اسے مارنے لگا۔ ایک آدمی نے کہا: کیا ہے اسے؟ اللہ اسے رسوا کرے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔"[2]

تین یا اس سے زیادہ دفعہ حد لگنے کے بعد شرابی کا حکم

جسے شراب نوشی کی وجہ سے تین دفعہ حد لگے، پھر چوتھی مرتبہ شراب نوشی کی وجہ سے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ بعض احادیث میں اسے قتل کرنے کا تذکرہ ملتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شراب پیئے اسے کوڑے لگاؤ، دوبارہ پیئے پھر اسے کوڑے مارو، تیسری دفعہ پینے پر بھی اسے کوڑے مارو پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اسے قتل کر دو۔"[3]

اس قسم کی روایات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے کرام نے دو قسم کے موقف اپنائے

2014

۱ صحیح بخاری: ۶۷۸۰
۲ صحیح بخاری: ۶۷۸۱
۳ سنن ابی داود: ۴۴۸۴؛ حدیث صحیح ہے۔

magazine.mohaddis.com

ہیں جن سے تین اقوال تشکیل پاتے ہیں۔

پہلی رائے

شرابی کو چوتھی دفعہ (شراب پینے پر) قتل کرنے کی احادیث منسوخ ہیں اور ان کے خلاف اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ یہ ائمہ اربعہ کی رائے ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۹ھ) کتاب العلل میں فرماتے ہیں:

"اس کتاب کی تمام احادیث معلول ہیں لیکن بعض علما نے انہیں قبول کیا ہے، سوائے دو احادیث کے، ان میں سے ایک شرابی کو قتل کرنے کی حدیث ہے۔"[1]

جمہور کے ہاں ان احادیث کے نسخ کے دلائل درج ذیل ہیں:

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شراب پیئے اسے کوڑے مارو، پھر دوبارہ پیئے تو اسے کوڑے مارو، اس کے بعد پھر پیئے تو اسے کوڑے مارو، اس کے بعد اگر پیئے تو اسے کوڑے مارو۔"

ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ کوڑے ہی سزا ہے، قتل نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے:

"مسلمانوں نے اس سے جان لیا کہ کوڑوں سے حد ثابت ہے اور قتل کرنا ختم کر دیا گیا ہے۔"[2]

② حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کوئی شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا، پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اسے قتل کرو۔ حضرت قبیصہ کا کہنا ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی تو آپ نے اسے کوڑے مارے، پھر لایا گیا پھر آپ نے اسے کوڑے مارے، پھر لایا گیا پھر اسے کوڑے مارے، پھر اسے چوتھی مرتبہ لایا گیا تو بھی آپ نے اسے کوڑے ہی مارے۔ اس طرح لوگوں سے قتل کی سزا ختم

---

۱ المحلی: ۱۱/ ۲۶۵؛ نیل الاوطار: ۷/ ۱۷۶؛ الحدود والتعزیرات: ۳۰۶ تا ۳۲۵

۲ سنن الکبریٰ للنسائی؛ سنن بیہقی: ۸/ ۴۱۳؛ الطحاوی: ۲/ ۹۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر دی گئی اور یہ رخصت تھی۔''[1]

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اس آدمی کو کوڑے مارنے کے واقعہ میں جس نے شراب پی تھی۔ اس کا لقب 'حمار' تھا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے، اسے کتنی مرتبہ لایا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت مت کرو، واللہ! مجھے تو یہ صرف یہ پتہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) کا کہنا ہے کہ ''اس حدیث میں شرابی کو قتل کرنے والی حدیث کے نسخ پر دلیل موجود ہے کہ اگر چوتھی یا پانچویں مرتبہ بھی پیئے تو بھی اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) کا کہنا ہے کہ اسے پچاس مرتبہ سے زیادہ آپ کے پاس لایا گیا۔''[3]

④ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: « لاَ يَحِلُّ دَمُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلاَثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ ».[4]

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں ہے، سوائے اس کے کہ تین باتوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو: شادی شدہ ہو کر زنا کرے، جان کے بدلے جان اور جو دین (اسلام) چھوڑ دے اور جماعت (ملت اسلام) سے الگ ہو جائے۔''

اس حدیث کے عموم میں شرابی بھی داخل ہے کہ اسکا خون بہانا بھی حلال نہیں کیونکہ جن کا خون بہانا جائز ہے، ان میں سے شارب خمر نہیں ہے۔ اس استدلال پر اعتراض یہ ہے کہ اس

۱ سنن ابی داود: ۴۴۸۵؛ البیہقی: ۸/ ۳۱۴... مرسل
۲ صحیح بخاری: ۶۷۸۰
۳ فتح الباری: ۱۲/ ۸۰
۴ سنن ابی داود: ۴۳۵۲

magazine.mohaddis.com

حدیث سے نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ یہ عام ہے اور شرابی کو قتل کرنے کی حدیث خاص ہے۔

⑤ قتل کے منسوخ ہونے پر جمہور نے اجماع کو بھی دلیل بنایا ہے کہ قتل کے خلاف اجماع ہو چکا ہے، قتل نہ کرنے پر دلیل حدیث جابر کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''میرے علم کی حد تک شرابی کو قتل نہ کرنے میں علما کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ''اس مسئلہ میں قدیم یا حالیہ کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔''

شرابی کے قتل سے متعلق دوسری رائے

شرابی کے قتل سے متعلق احادیث محکم ہیں، منسوخ نہیں۔ امام ابن حزم اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نظریہ ہے۔ اس اُصول کی حد تک دونوں میں اتفاق ہے، البتہ نتیجہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ اسے چوتھی مرتبہ بطورِ حد قتل کیا جائے گا جبکہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (م۷۵۱ھ) کی رائے ہے کہ ''اگر اسے چوتھی مرتبہ قتل کرنے میں مصلحت ہو تو تعزیراً قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ (شراب نوش) شراب پینے کا عادی ہو جائے، حد کو ہلکا سمجھنے لگے اور حد سے اسے کوئی عبرت حاصل نہ ہو تو قاضی اسے حد کے طور پر نہیں بلکہ من باب التعزیر قتل کر سکتا ہے۔''

ابن حزم اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی طرف سے چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کے نسخ اور اس پر اجماع کے دعویٰ کا مناقشہ / تجزیہ مندرجہ ذیل طریقے سے کیا ہے:

① امام ابن حزمؒ نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن میں قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔

② اس آدمی کو بار بار کوڑے لگنے کی حدیث جس کا لقب حمار تھا، اگرچہ اس مفہوم میں خاص ہے لیکن اس سے نسخ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کا قتل والی حدیث سے متاخر ثابت کرنا ضروری ہے اور یہ ثابت نہیں ہے۔

③ اس عام حدیث جس میں صرف تین وجوہات سے مسلمان کے قتل کا جواز ملتا ہے، اس سے نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ یہ عام ہے اور قتل کی سزا پر مشتمل حدیث خاص ہے اور خاص کو عام پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

④ اجماعِ صحابہ کا دعویٰ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ختم ہو جاتا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے جو اُنہوں نے کہا تھا کہ اسے (شرابی کو) میرے پاس چوتھی مرتبہ لاؤ، میں اسے قتل کروں گا۔[1]

راجح موقف

جمہور علما کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کو چوتھی مرتبہ قتل کرنا منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ اس پر نصوص موجود ہیں اور اجماع بھی ثابت ہے۔ نقضِ اجماع کے دعویٰ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ثابت نہیں بلکہ وہ سنداً ضعیف ہے۔ بفرضِ محال اسے صحیح مانیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اُنہیں نسخ والی احادیث نہ پہنچی ہوں اور اس مخالفت کو شذوذ کی حیثیت حاصل ہو گی۔[2]

لیکن اگر لوگ شراب کے رسیا ہو جائیں اور اس قبیح عادت میں غرق ہو جائیں، حدّ (کا نفاذ) ان کے لئے مانع ثابت نہ ہو تو کیا قاضی مصلحت اور سیاست کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں قتل کی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ مصلحتاً قتل (کی سزا) کے قائل ہیں۔ دراصل یہ نظر و فکر اور اجتہاد کا مقام ہے۔ واللہ اعلم!

حدِ خمر کے ثبوت کے ذرائع[3]

ا۔ اقرار

شرابی ایک دفعہ بھی شراب پینے کا اعتراف کر لے تو حد خمر ثابت ہو جائے گی، اس اعتراف کے ساتھ منہ سے شراب کی بدبو کا آنا شرط نہیں ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے کیونکہ شراب نوش بدبو زائل ہونے کے بعد بھی اعتراف کر سکتا ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اعتراف کے ساتھ منہ سے بدبو آنے کی شرط لگاتے ہیں۔

2014

---

۱ مسند احمد: ۶۷۵۲ ... شیخ احمد شاکر نے اس کی سند صحیح قرار دیا ہے؛ مسند احمد: ۲/۱۹۱

۲ فتح الباری: ۱۲/۸۲

۳ المغنی: ۹/۱۳۸؛ مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۲۳۹

magazine.mohaddis.com

۲۔ گواہ

دو مسلمان گواہی دیں کہ اس نے نشہ آور مشروب استعمال کیا ہے، شراب کی نوعیت پر تفصیل فراہم کرنا گواہوں پر لازم نہیں، یہ ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اس نے اپنے اختیار سے شراب پی ہے یا اس پر جبر ہوا ہے، نہ ہی اس تفصیل میں پڑنے کی ضرورت ہے کہ اسے اس کے نشہ آور ہونے کا علم تھا یا نہیں، کیونکہ اختیار اور علم ہی اصل ہے۔

اس کی دلیل حضرت حصین بن منذر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہے کہ

''میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ وہاں ولید بن عقبہ کو لایا گیا، اس نے فجر کی نماز دو رکعات پڑھا کر کہا، مزید پڑھاؤں؟ اس کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی۔ حمران نامی آدمی نے گواہی میں کہا کہ اس نے شراب پی ہے اور دوسرے نے یہ گواہی دی کہ اُس نے اسے قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے شراب پینے کی وجہ سے ہی قے کی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگانے کے لئے کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کاروبار حکومت میں شریک لوگ ہی یہ کڑا حکم پورا کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگانے کے لئے کہا، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کوڑے لگا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شمار کر رہے تھے۔ جب چالیس کوڑے ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رُک جاؤ... الخ''[1]

اس سے استدلال یوں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کی گواہی کو کافی سمجھا اور ان سے کوئی مزید تفصیلات دریافت نہیں کیں۔

2014

[1] صحیح مسلم: ۱۷۰۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

منہ سے شراب کی بدبو یا مشروب کی قے کرنے کو شہادت سمجھا جائے گا

شراب کی بدبو یا قے کرنے سے حد کے وجوب میں تین اقوال پر اختلاف ہے۔[1]

پہلا قول: منہ سے شراب کی بدبو آنے یا قے کرنے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی۔ اکثر اہل علم، امام ثوری، ابو حنیفہ، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ (ایک روایت کے مطابق) کا یہی موقف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے، اس نے اسے پانی سمجھ کر منہ میں ڈالا اور پھر احساس ہونے پر اس کی کلی کر دی ہو، یا سمجھا ہو کہ شائد یہ نشہ آور نہیں ہے یا جبراً پلائی گئی ہو یا اس نے سیب کا رس پیا ہو (اس سے بھی کچھ شراب جیسی بو کا احساس ہوتا ہے)۔ ان وجوہات سے شراب کی بدبو پیدا ہو سکتی ہے۔ جب یہ احتمالات موجود ہیں تو حدّ واجب نہیں ہو سکتی کیونکہ شبہات کی وجہ سے حدّ ساقط ہو جاتی ہے۔[2]

دوسرا قول: بدبو آنے یا قے کرنے سے حدّ واجب ہو جاتی ہے۔

یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے دوسری روایت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی موقف کو پسند کیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اس قول کے مطابق صحابہ کرام حضرت عمر، حضرت عثمان اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے فیصلے موجود ہیں:

① سائب بن یزید کا کہنا ہے کہ اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شرابی کو منہ سے بدبو آنے کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دلواتے دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پوری حدّ لگائی۔[3]

پہلے فریق نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس روایت کو ایسے انداز میں مختصر کیا گیا ہے کہ مفہوم میں خلل پیدا ہو گیا ہے۔ یہ روایت اصلی شکل میں یوں ہے:

"معمر نے امام زہری رحمہ اللہ سے اور امام زہری رحمہ اللہ نے سائب بن یزید رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جنازہ پڑھایا، میں بھی وہاں

---

۱ المبسوط: ۲۴/۳۱؛ مجموع الفتاوی: ۲۸/۳۳۹؛ الحدود والتعزیرات: ۳۲۵

۲ المغنی: ۱۰/۳۳۲

۳ مصنف عبد الرزاق: ۱۰/۲۲۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حاضر تھا۔ جنازہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے عبید اللہ سے شراب کی بدبو محسوس کی، میں نے اُس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے طِلا (دوائی) سمجھا تھا۔ میں دوبارہ اُس سے اس مشروب کے بارے میں پوچھنے والا ہوں، اگر وہ نشہ آور تھا تو میں اسے کوڑے لگاؤں گا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں دوبارہ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے کوڑے لگا رہے تھے۔''[1]

دونوں روایات سائب بن یزید رحمہ اللہ سے ہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو کوڑے اس کے اس اقرار پر لگائے کہ اس نے نشہ آور طلاء پیا ہے، محض منہ سے بدبو آنے پر سزا نہیں دی۔ لہٰذا اس روایت میں مجرد بدبو آنے پر حد کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔

② حصین بن منذر سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ان کے پاس ولید کو لایا گیا جس نے شراب پی کر فجر کی نماز پڑھائی اور بعد میں کہا کہ مزید پڑھاؤں؟ اس کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی۔ حمران نے کہا کہ اس نے شراب پی ہے، دوسرے نے کہا کہ میں نے اُسے قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس نے شراب پی کر ہی قے کی ہے.... الخ

یہ اثر پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے حدّ لگائی تھی۔

پہلے موقف والوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے مجرد قے کرنے پر سزا نہیں دی بلکہ اس قرینہ کے ساتھ حمران کی واضح شہادت پر حدّ لگائی۔ اس لیے جن ائمہ کرام نے اس اثر کو ذکر کیا ہے۔ اُنہوں نے اس پر یہ باب قائم نہیں کیا کہ قے سے حدّ لازم ہوتی ہے۔

③ علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حمص میں تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ یوسف کی قراءت کی۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ اس طرح یہ سورۃ نازل نہیں ہوئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اسے اسی انداز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا

1 صحیح بخاری تعلیقا: ۱۰/ ۶۲؛ مسند شافعی: ۲۹۶؛ موطا امام مالک: ۲/ ۷۸۱؛ مصنف عبد الرزاق: ۱۰/ ۲۲۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھا تو آپ نے میری تحسین فرمائی تھی۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے شراب کی بدبو پائی تو کہنے لگے کہ تم کتاب اللہ کی تکذیب کرتے ہو اور شراب پیتے ہو، بعد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر حدّ لگائی۔[1]

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ استدلال ہی تسلیم شدہ نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس آدمی نے شراب نوشی کا اعتراف کیا ہو۔ اس احتمال کی بنا پر یہ دلیل ساقط ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اثر 'کتاب فضائل القرآن' میں ذکر کیا ہے اور قوت فہم و دقتِ استنباط کے باوجود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر کو کتاب الحدود میں ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسے فضائل قرآن سے متعلق احادیث کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر باب باندھا ہے: باب فضل استماع القرآن[2]

④ ظاہری قرائن کے ساتھ شراب نوشی کا حکم لگانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فیصلوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مخالف نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فتح الباری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مجرد بدبو کی وجہ سے حدّ لگانے پر انکار کیا تھا۔[3]

تیسرا قول: محض بدبو آنے سے حدّ واجب نہیں ہوتی، ہاں اگر اس کے ساتھ کوئی شہادت یا قرینہ مل جائے جو شبہات کی نفی کر دے تو حد لازم ہو گی۔ صحابہ کرام میں سے یہ موقف حضرت عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ امام عطا، ابن قدامہ اور شیخ بکر ابو زید نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔

راجح موقف

تیسرا موقف راجح معلوم ہوتا ہے، متفرق دلائل اسی نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ اس بنا

2014

۱ صحیح بخاری: ۵۰۰۱؛ صحیح مسلم: ۳۵۸۰
۲ الحدود والتعزیرات عند ابن القیم: ۳۳۶
۳ فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۹/ ۵۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پر بو بدیا قے آنے پر مندرجہ ذیل صورتوں میں ہی حد واجب ہوتی ہے:[1]

① جس سے شراب کی بدبو پائی گئی، وہ شراب نوشی میں مشہور ہو۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔[2]

② کچھ فاسق لوگ اکٹھے شراب پر پائے جائیں۔ بعض پر نشہ طاری ہو اور کچھ کے منہ سے بدبو آرہی ہو تو سب کو حدّ لگے گی۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز اور عطا کا موقف ہے۔[3]

③ بدبو کے ساتھ نشہ کے عوارض بھی پائے جائیں جیسا کہ قے وغیرہ۔ امام ابن قدامہ نے یہ ذکر کیا ہے۔

④ شراب نوشی پر دو آدمی گواہی دیں ایک شراب پینے کی اور دوسرا منہ سے بدبو آنے کی یا قے کرنے کی جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں مذکور ہے۔

محض بدبو وغیرہ سے حدّ واجب نہ ہونے پر دلیل:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک آدمی نے شراب پی اور اس پر نشہ طاری ہو گیا۔ وہ گلی میں لڑکھڑاتا پھر رہا تھا، اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لے جانے لگے۔ جب وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو ہاتھ سے نکل گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو کر وہ اُن سے چمٹ گیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا: "کیا اس نے ایسا کیا ہے؟" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔[4]

امام خطابی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس آدمی کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم صادر نہیں فرمایا، کیونکہ حدّ کے ثبوت کے لئے اس کا اقرار یا شہادت موجود نہیں تھی، بس وہ راستے میں لڑکھڑاتا پایا گیا اور اس کے متعلق نشہ کرنے کا گمان

2014،

۱ الحدود والتعزیرات: ۳۴۰

۲ مصنف عبد الرزاق: ۱۰/۲۲۸

۳ مصنف عبد الرزاق: ۷/۱۷۰۳؛ مسند الشافعی: ۲۹۸

۴ سنن ابو داؤد: ۶/۴۴۷۶.... سند ضعیف ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہوا۔ آپ ﷺ نے مزید استفسار نہیں فرمایا اور اسے اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

شراب نوش کو حدّ نشہ کی حالت میں لگے گی یا نشہ اُترنے کے بعد؟[1]

عمر بن عبدالعزیز، شعبی، ثوری، ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا یہ موقف ہے کہ شرابی کا نشہ اُترنے کے بعد ہی حدّ لگے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں سزا دینے سے حد کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ حد کا مقصد اسے عبرت دلانا ہے اور یہ مقصد نشہ اُترنے کے بعد ہی پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں انسان کو شعور نہیں ہوتا۔

دوسرا موقف یہ ہے کہ جب شرابی پکڑا جائے اس پر حد لگا دی جائے۔ یہ ابن حزم کا خیال ہے۔ ان کا استدلال عام حدیث سے ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جب شراب نوش لایا جاتا تو اس پر جرم ثابت ہو جانے پر آپ سزا دے دیتے تھے، اُس کے نشہ اترنے کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

جب یہ دلیل سے ثابت ہو گیا تو قیاس اور نظر و فکر کی گنجائش نہ رہی، اس لئے پکڑے جانے پر شرابی کو سزا دے دی جائے سوائے اس صورت کے کہ اس میں بالکل ہی احساس و شعور نہ ہو تو کچھ شعور حاصل ہونے تک مؤخر کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق!

شرابیوں کی مجلس کا حکم[2]

شراب نوش لوگوں کی محفل یا وہ دستر خوان جس پر شراب یا دیگر منشیات ہوں، وہاں ایک مسلمان کا موجود ہونا حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يقعد علي مائدة يشرب عليها الخمر»[3]

"جو بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر مت بیٹھے

1 المحلی: ۱۱/ ۳۷۱؛ المغنی: ۹/ ۱۴۰

2 المحلی: ۱۱/ ۳۷۱؛ کشاف القناع: ۶/ ۱۱۸

3 جامع ترمذی: ۲۸۰۱؛ سنن ابی داود: ۳۷۷۴؛ اسانید کے مجموعہ سے یہ حدیث حسن درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ دیکھئے ارواء الغلیل: ۱۹۴۹

magazine.mohaddis.com

جہاں شراب پی جاتی ہو۔"

مسلمان پر حرام ہے کہ وہ کسی کو شراب پلائے چاہے وہ بچہ ہو یا پاگل ہو یا کافر ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لعن الله الخمر و شاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه»[1]

" اللہ تعالیٰ شراب پر لعنت فرمائے، اسی طرح شراب پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے اسے تیار کروانے والے، منتقل کرنے والے اور جس کی طرف منتقل کی جارہی ہے، ان سب پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔"

شرابیوں کی محفل میں بیٹھ کر شراب نہ پینے والوں پر حد لگے گی یا نہیں؟

ابن عامر اور مروان بن حکم کا خیال ہے کہ اُن کو بھی کوڑے لگائے جائیں۔ حالانکہ صحیح موقف یہی ہے کہ ان لوگوں پر حد لازم نہیں کیونکہ حد صرف شراب پینے والوں پر واجب ہے اُن کے علاوہ کسی اور پر حد لازم ہونے میں قرآن، سنت، اجماع یا قول صحابی سے دلیل نہیں ہے۔ البتہ مصلحت کے تحت ایسے لوگوں پر تادیبی کارروائی ہو سکتی ہے اور انہیں تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

[اُردو ترجمہ: صحیح فقہ السنۃ وأدلتہ وتوضیح مذاہب الائمہ: جلد ۴ / صفحہ ۷۳ تا ۸۸]

2014

[1] سنن ابی داؤد: ۳۶۷۴؛ سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پروفیسر ارشد جاوید

مرزا غلام احمد قادیانی؛ نبی یا نفسیاتی مریض؟

مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء/۴۰ میں پیدا ہوئے۔ ۶۸-۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کی کچہری میں بطور محرر ملازمت کی۔ اس دوران مختاری کا امتحان دیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ مرزا صاحب علم نجوم سے تو دلچسپی رکھتے ہی تھے، ۱۸۶۸ء میں سیالکوٹ سے واپسی کے بعد تسخیری عملیات اور اوراد و وظائف کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور تقریباً ۹ ماہ کی چلّہ کشی کے دوران 'مسمریزم' کی بھی مشق کی۔ یہ مناظروں کا دور تھا اور ایک خاص حلقہ میں آپ مناظر اسلام کی حیثیت سے بھی معروف ہو چکے تھے۔ مزید آنکہ مقدمات کے سلسلے میں آپ کا لاہور اکثر آنا جانا اور یہاں کئی کئی دن تک قیام بھی رہتا تھا جہاں مخالفین اسلام سے مذہبی بحث مباحثہ بھی آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اسی سلسلہ میں آریوں کے خلاف مضمون نگاری بھی شروع کر دی اور پھر ۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء مناظرانہ چیلنج بازی کا طریق اپناتے ہوئے خوب اشتہار بازی کی اور پھر اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے مامور من اللہ اور ملہم ہو کر ۵۰/ اجزا پر مشتمل 'براہین احمدیہ' نامی ایسی لاجواب کتاب لکھنے کا اعلان کیا جس میں تین سو دلائل ہوں گے جن کا کسی کے پاس جواب نہیں۔ اس کا حصہ اوّل اور دوم ۱۸۸۰ء میں جبکہ حصہ سوم ۱۸۸۲ء اور حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع کیا۔ ہندوستان کے بہت سے علمی و دینی حلقوں میں اس کتاب کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ اس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیان کے گوشۂ گمنانی سے نکال کر شہرت و احترام کے زینے چڑھتے گئے اور لوگوں کی نگاہیں اُن کی طرف اُٹھ گئیں۔ اس دوران مرزا صاحب اسلام کے وکیل اور ایک مصنّف کی حیثیت سے سامنے آئے۔

مرزا صاحب نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز ایک صوفی اور مناظر کی حیثیت سے کیا، پھر 'ملہم

magazine.mohaddis.com

و محدّث"[1] ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۸۴ء میں آپ نے مصلح اور مجدد ہونے اور مسیح کی مشابہت کا جبکہ ۱۸۹۱ء میں 'مثیل مسیح' اور پھر 'مسیح موعود' اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا اور آخر کار ۱۹۰۱ء میں نبی اور رسول اللہ ہونے کا اعلان کر دیا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا انتقال کر گئے۔

ختم نبوت

پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک ہر زمانے، اور پوری دنیاے اسلام میں ہر ملک کے مسلمان اور علما اس عقیدے پر متفق ہیں کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر اور خارج از ملتِ اسلام ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[2]

"(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ »[3]

"رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔"

«وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلاثُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»[4]

"میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النّبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

---

۱ ایسا شخص جس کی زبان پر صرف حق جاری ہوتا ہو، یا وہ کسی شے پر فکر مندی محسوس کرے تو اللہ کی طرف سے اسے رہنمائی حاصل ہو، اسے محدّث کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کی حدیث ۳۴۶۹ کے تحت شارح بخاری شیخ مصطفیٰ البغا نے محدث کی یہی وضاحت کی ہے۔ ادارہ

۲ سورۃ الاحزاب:۴۰

۳ جامع ترمذی:۲۲۷۲

۴ سنن ابو داؤد:۴۲۵۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حتیٰ کہ ابتدا میں مرزا صاحب خود بھی ختم نبوت کے قائل تھے اور نبوت کے داعی کو کافر گردانتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے آپ (آنحضور ﷺ) پر نبیوں کا خاتمہ فرمادیا۔"[1]

"فی الحقیقت ہمارے نبی ﷺ پر نبوت ختم ہوچکی ہے۔"[2]

"میں جناب خاتم الانبیا ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو، اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"[3]

"سیدنا مولانا حضرت محمد ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب جانتا ہوں۔"[4]

دعویٰ نبوت کی حقیقت

قرآن وحدیث کے اتنے واضح دلائل اور پھر مرزا صاحب کے اپنے اعلان کہ آنحضور ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں اور ختم نبوت کا منکر کاذب اور کافر ہے، کے بعد مرزا صاحب کا اعلانِ نبوت حیران کن ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے جو کہ ایک عالم دین تھے اور ختم نبوت کے داعی کو کاذب وکافر سمجھتے تھے، خود اعلان نبوت کیوں کیا؟

مرزا صاحب کے اعلانِ نبوت کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ اُنہوں نے صرف دنیوی غرض ومفادات کے لیے سوچ سمجھ کر اور خوب غور وفکر کے بعد ایک پروگرام کے تحت یہ ڈھونگ رچایا ہو اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ مرزا صاحب سے پہلے بھی بہت سے لوگ نبوت کا دعویٰ کرچکے ہیں۔ حتیٰ کہ خود آنحضور ﷺ کی زندگی میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قتل ہوا لیکن اگر مرزا صاحب کی کتب کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معمولی سوجھ بوجھ کا ہر انسان اُن کی تحریروں میں واضح تضادات کو فوراً محسوس کرلیتا ہے۔ مرزا صاحب ایک ذہین آدمی

1 حمامۃ البشریٰ از مرزا صاحب، ص ۳۶، ضیاء الاسلام پریس، ربوہ
2 کتاب البریہ: ص ۱۸۱
3 تبلیغ رسالت: ۲/ ۴۴
4 تبلیغ رسالت: ۲/ ۱۲۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھے، اگر انہوں نے یہ دعویٰ سوچ سمجھ کر ایک سکیم کے تحت کیا ہوتا تو ان کی کتب میں واضح تضادات نہ ہوتے، کیونکہ کسی بھی نارمل فرد کی تحریروں میں اس قدر نمایاں تضادات نہیں ہوتے جبکہ مرزا صاحب کی تحریریں تضادات کا شاہکار ہیں۔ خود مرزا صاحب کا ارشاد ہے:

"کسی عقل مند اور صاف دل انسان کے کلام میں ہرگز تناقص نہیں ہوتا، اگر کوئی پاگل یا مجنون یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں ملا دیتا ہو اس کا کلام بے شک متناقض ہو جاتا ہے۔"[1]

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔"[2]

مگر خود مرزا صاحب کا کلام تضاد اور تناقض سے بھرا پڑا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) "اے لوگو! دشمن قرآن نہ بنو! اور خاتم النّبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو، اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔"[3]

"ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔"[4]

دوسری طرف فرماتے ہیں: "اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا ہے۔"[5]

"سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"[6]

(۲) "میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔"[7]

دوسری طرف لکھتے ہیں: "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں۔"[8]

(۳) "لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مؤمن لعان (لعنت کرنے والا) نہیں ہوتا۔"[9]

---

۱ ست بچن: ص ۳۰
۲ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم: ص ۱۱۲
۳ آسمانی فیصلہ: ص ۲۵
۴ تبلیغ رسالت: ۶/ ۳۰۲
۵ حقیقۃ الوحی: ص ۱۵۰
۶ دافع البلاء: ص ۱۱
۷ تریاق القلوب: ص ۱۳۰
۸ الذکر الحکیم (رسالہ) نمبر ۴: ص ۲۵
۹ ازالہ اوہام: ص ۶۶۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"میری فطرت اس سے دور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔" [1]

"گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔" [2]

" میں سچ سچ کہتا ہوں جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو 'دشنام دہی' کہا جائے۔" [3]

دوسری طرف فرماتے ہیں: "ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں۔" [4]

مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"پلید، بے حیا، سفلہ..." [5]

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"کفن فروش، کتا..." [6]

"خبیث، سور، کتا، بدذات، گوں خور۔" [7]

مولانا سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق ارشاد ہے:

"غول، لئیم، فاسق، ملعون، نطفہ، سفہار، خبیب، کنجری کا بیٹا۔" [8]

مرزا صاحب کی مذکورہ بالا تحریریں نہ صرف تضاد کا شاہکار ہیں بلکہ ایسی تحریریں ایک نبی کا تو ذکر ہی کیا، کسی بھی شریف انسان کے مقام سے فروتر ہیں۔ کوئی بھی نارمل اور معقول انسان ایسی گندی زبان تحریر کرنا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک نبی ایسی گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کرے۔

۱ آسمانی فیصلہ: ۹
۲ اربعین ضمیمہ نمبر ۴ ص ۵
۳ ازالہ اوہام: ۱/ ۶
۴ درثمین: ۲۴۹
۵ ضیاء الحق: ص ۱۳۳
۶ اعجاز احمدی: ص ۲۳
۷ بحوالہ الہامات مرزا از شیخ الاسلام: ص ۱۲۲، حاشیہ
۸ انجام آتھم: ص ۲۸۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

④ مرزا صاحب فرماتے ہیں: " اور یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ "[1]

دوسری طرف مرزا صاحب لکھتے ہیں:

" زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔ "[2]

یاد رہے کہ مرزا صاحب کی اصل زبان پنجابی تھی۔

مزید براں مرزا صاحب کے بقول ان کو الہام بھی ہوتا تھا۔ آپ نے اپنی کتب میں اپنے بہت سے الہاموں کا ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب کو پہلا الہام ۱۸۶۵ء میں ہوا۔ اس کے بعد بقول مرزا صاحب الہامات کی بھرمار شروع ہو گئی۔ چند الہامات ملاحظہ فرمائیں:

" تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ لوگ (بزدلی) سے۔ "[3]

'عالم کباب' "آسمان سے دودھ اُترا۔ محفوظ رکھو۔ "[4]

"بالوالہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔ "[5]

"کنواری بیوہ" "ڈگری ہو گئی ہے.... مسلمان ہے۔ "[6]

"ہمارا ربّ حاجی ہے۔ "[7]

"میری نعمت کا شکر کر، تو نے میری خدیجہ کو دیکھ لیا۔ "[8]

"We can what we will do"[1]

۱ چشم معرفت: ص ۲۰۹
۲ نزول المسیح: ص ۵۷
۳ "خاکسار پیپر منٹ" البشریٰ جلد ۲/ ۹۴... انجام آتھم: ص ۵۵
۴ البشریٰ: ۲/ ۱۱۲-۱۱۶
۵ تتمہ حقیقۃ الوحی: ص ۱۴۳
۶ براہین احمدیہ
۷ براہین احمدیہ: ۳/ ۵۲۳
۸ براہین احمدیہ: ۳/ ۵۵۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تضادات اور تناقصات کے علاوہ اگر مرزا صاحب کے الہامات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا لغو، بے مقصد اور لایعنی کلام خدا کا تو کیا کسی نارمل انسان کا بھی نہیں ہو سکتا اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نہ تھا بلکہ یہ ایک نفسیاتی بیماری 'پیرانائے' Parania کے تحت تھا کیونکہ اگر یہ دعویٰ نبوت کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوتا تو مرزا صاحب کی تحریروں میں اس قدر کھلا تضاد نہ ہوتا اور نہ ہی وہ اپنی کتب میں اپنے لغو، بے مقصد اور لایعنی الہامات کا ذکر کرتے۔ مرزا صاحب کے انگریزی الہامات کی زبان تک درست نہیں۔ مزید براں سوچا سمجھا دعویٰ ہمیشہ ایسی کھلی اور واضح غلطیوں سے پاک ہوتا ہے۔

اس بیماری کے تحت مرزا صاحب کا یہ دعویٰ نبوت کوئی نیا یا انوکھا نہیں بلکہ اگر آپ آج بھی کسی پاگل خانے میں چلے جائیں تو وہاں آپ کی ملاقات پانچ سات ولیوں، دو چار نبیوں اور ایک آدھ خدا سے ضرور ہو جائے گی۔

پیرانائے Parania

پیرانائے، دیوانگی شدید دماغی خلل Psychosis کی وہ صورت ہے کہ جس میں وسوسوں یا خبطوں کا ایک منظم گروہ مریض کے ذہن میں رس بس جاتا ہے، ایسے مریض کے وسوسے اور خبط نہایت منظم و مربوط، متدون، مدلل، منطقی، مستقل، متعین شدہ Well Fixed، پیچیدہ Intricate اور اُلجھے ہوئے Complex ہوتے ہیں۔ یہ وسوسے Delusions اکثر کسی ایک ہی مرکزی خیال کے گرد گھومتے ہیں، یہ مرض عموماً آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔

اکثر مریضوں کی شخصیت میں کوئی نمایاں خرابی یا نقص نہیں ہوتا، مریض محض اسی وسوسے یا خبط کی حد تک ابنارمل ہوتا، ورنہ باقی ہر لحاظ سے وہ صحیح عقل و فہم کا مالک ہوتا ہے اور بادی النظر میں بالکل نارمل دکھائی دیتا ہے۔

۱ براہین احمدیہ: ۳/ ۴۸۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بعض مریضوں کو سمعی اور بصری وہم Hallucination آتے ہیں، انہیں طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، چیزیں نظر آتی ہیں، یعنی مریض حواسِ خمسہ کے مختلف حواس سے کچھ نہ کچھ محسوس کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس بیماری کے بنیادی وسوسے دو قسم کے ہوتے ہیں:

ا۔ اذیت بخش وسوسے (خبط اذیت)　　　　۲۔ پر شکوہ یا اقتداری وسوسے (خبط عظمت)

خبط اذیت میں مریض سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ یہ لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور خبط عظمت کی وجہ سے مریض اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی اور عظیم ہستی تصور کرتا ہے۔

خبطِ عظمت کی ایک قسم مذہبی خبط عظمت ہے جس میں مریض سمجھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ "خدا مجھ سے محبت کرتا ہے میں اللہ کا منتخب بندہ ہوں اور اس کا برگزیدہ خادم ہوں۔ خدا کا نبی اور رسول ہوں اور مجھے خدا نے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے۔" ایسے لوگ نئے نئے دین وضع کرتے ہیں، مذہبی کتابوں اور اصطلاحوں کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں تاکہ اُنہیں اپنے تصورات کے مطابق ڈھال لیں۔ مریض محسوس اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اسے الہامات ہوتے ہیں۔[1]

یہ مرض عموماً مردوں کو ہوتا ہے، وہ بھی تیس سال کے بعد عمر کے آخری حصہ میں۔ اس قسم کے مریض بہت شکی مزاج، خود پندار Slef Importanat، متکبر، گستاخ، مغرور اور نہایت حساس ہوتے ہیں۔ تنقید قطعاً برداشت نہیں کر سکتے، فوراً بھڑک اٹھتے ہیں۔ ایسے مریض زبردست احساسِ برتری کا شکار ہوتے ہیں مگر ان کے احساس برتری کے پس منظر میں احساس کمتری کار فرما ہوتا ہے۔ ان مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل سے دوچار ہوتی ہے۔[2]

پیرانائے کے اکثر مریض ذہین افراد ہوتے ہیں، ظاہری طور پر چونکہ بالکل نارمل معلوم ہوتے ہیں لہٰذا وہ ہر قسم کے دلائل سے اپنی بات وقتی طور پر منوا لیتے ہیں یہ لوگ واقعات اور حقائق کو اسی طرح توڑ موڑ لیتے ہیں کہ وہ اُن کے وسوسوں پر ٹھیک بیٹھتے ہیں۔[3]

ا　تحلیل نفسی از حزب اللہ..... ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف از کولمین
۲　ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف از کولمین
۳　تحلیل نفسی از حزب اللہ

magazine.mohaddis.com

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جب مریض کو یہ وسوسے آنے شروع ہوتے ہیں تو مریض کے دوست احباب اور عزیز واقارب کو اس کی اس تبدیلی کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ اس طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ مریض ظاہری طور پر بالکل نارمل معلوم ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے یہ وسوسے زیادہ منظم ہوتے جاتے ہیں اور مریض زیادہ مدلل، منطقی اور معقول معلوم ہوتا ہے۔ مرض جتنا شدید ہوگا، اس کی گفتگو اتنی ہی مدلل، منطقی اور معقول معلوم ہوتی ہے۔[1]

ایسے مریض اپنے خیالات اور نظریات کو نہایت مربوط اور مدلل انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ لوگ ان پر یقین کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور بعض دوسرے معقول افراد کو اپنے دعوے کی سچائی پر مطمئن کر لیتے ہیں۔[2]

مریض عموماً سمجھتا ہے اور اسے اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے نظریات اور خیالات کو وسوسے خیال کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ ان کی واضح تردید سے مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ اس کا وسوسی نظام بہت پختہ اور اس کی ساخت پرداخت حد درجہ منطقی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مریض اپنے وسوسوں پر جما رہتا ہے۔[3]

عمومی وجوہات

پیرانائے کی تشکیل میں مریض کی معاشرتی، سماجی، پیشہ وارانہ اور ازدواجی زندگی کی ناکامیاں اہم رول ادا کرتی ہیں یہ ناکامیاں مریض کی خودی (انا) اور شخصی اہمیت کے تصور کو خطرے میں ڈال دیتی ہے جس سے اس کا وقار سخت مجروح ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے مقاصد زندگی اور خیالات بہت بلند ہوتے ہیں مگر جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ناکامی ان میں احساس کمزوری اور احساسِ کمتری پیدا کر دیتی ہے اور پھر وہ اس احساسِ کمتری کو

2014

۱ سائیکالوجی اینڈ لائف از اشن
۲ ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف از کول مین
۳ تحلیل نفسی از حزب اللہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مٹانے یا کم از کم، کم کرنے کے لیے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

فرائڈ کے نزدیک اس مرض کے پیچھے دبی ہوئی ہم جنسی تمناؤں اور خواہشات کا بھی گہرا ہاتھ ہوتا ہے، اگرچہ مریض کو ان کا شعور و احساس نہیں ہوتا۔ یہ خواہشات نہایت غیر اخلاقی اور ناقابل قبول سمجھی جاتی ہیں جو کہ مریض کو پریشان کرتی ہیں، نتیجۃً مریض احساس گناہ اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی تلافی کرنے کے لیے وہ اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ دکھانا چاہتا ہے۔ اس طرح اپنے وسوسوں کو ناقابل قبول اور متنفرانہ تمناؤں کے خلاف دفاعی فصیل سی بنا دیتا ہے۔[1]

پیرانائے کی ایک وجہ جنسی عدم مطابقت Maladjustment بھی بیان کی جاتی ہے۔ پیرانائے کے مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل، پریشانیوں اور مشکلات کا شکار ہوتی ہے مگر ضروری نہیں کہ یہ مسائل ہم جنسیت ہی کے ہوں جیسا کہ فرائڈ کا خیال ہے۔[2]

بقول کول مین عصر حاضر کے محققین کی اکثریت کے خیال کے مطابق اس بیماری کی تشکیل میں اہم ترین عناصر فرد کی دوسرے لوگوں کے ساتھ باہمی تعلقات میں دشواری، اپنی کوتاہی و کمزوری اور کمتری کا شدید احساس ہے۔

بعض دوسرے ماہرین کی رائے میں اس بیماری کی تشکیل میں عموماً حسب ذیل وجوہات پائی جاتی ہیں: غیر اخلاقی کردار پر احساسِ گناہ، دبی ہوئی ہم جنسی خواہشات، احساس کمتری اور اعلیٰ غیر حقیقت پسندانہ اُمنگیں۔

مرزا صاحب ایک نفسیاتی مریض

اگر پیرانائے کے مرض کی علامات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ اس مرض کی کم و بیش تمام علامات مرزا صاحب میں موجود تھیں، مثلاً

① تمام مریضوں کی طرح مرزا صاحب کے تمام وسوسے خوب منظم اور اکثر مریضوں کی

۱ ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف از کول مین؛ تحلیل نفسی از حزب اللہ

۲ ابنارمل سائیکالوجی اینڈ ماڈرن لائف از کول مین

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

طرح ایک ہی مرکزی خیال کہ وہ دنیا کی اصلاح کے لیے خدا کی طرف سے مامور ہیں، کے گرد گھومتے ہیں۔ مرزا صاحب پہلے ایک مصلح کے حیثیت سے سامنے آئے پھر 'محدّث' اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، بعد ازاں مثیل مسیح، مسیح موعود اور آخر کار نبوت کا اعلان کر دیا، ان تمام دعووں کا مرکزی خیال ایک ہی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے مامور ہیں۔ اگرچہ بیماری کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کا دعویٰ بھی بڑھتا گیا۔

② مرزا صاحب کے وسوسے اگرچہ مربوط، مدلل اور ایک ہی مرکزی خیال کے گرد گھومتے تھے مگر اکثر مریضوں کی طرح ان کے وسوسے کافی پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے تھے۔ ان کے اُلجھاؤ کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ وہ کبھی اپنے آپ کو مصلح[1] اور محدث[2] کہتے ہیں اور کبھی مجدد[3] کبھی مثیل مسیح[4] اور مسیح موعود[5] ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی نبی[6] ہونے کا، حتیٰ کہ کبھی کرشن اور گوپال ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔[7]

مرزا صاحب کے وسوسوں کی پیچیدگی ان کے بعض الہامات سے مزید ظاہر ہوتی ہے مثلاً

"مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا اور آخر کئی مہینے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام، مجھے مریم سے عیسیٰ بنا دیا گیا پس اس طرح میں ابن مریم ٹھیرا۔"[8]

یعنی پہلے مریم بنے پھر خود ہی حاملہ ہوئے پھر اپنے پیٹ سے آپ عیسیٰ ابن مریم بن کر تولد ہو گئے۔

۱ براہین احمدیہ: ۳/۲۳۸
۲ ازالہ اوہام: ۴۲۱
۳ تبلیغ رسالت: ۱/۱۵
۴ تبلیغ رسالت: ۲/۲۱
۵ ازالہ اوہام: ۶۸۳
۶ دافع البلاء: ۱۰،۱۱
۷ ملفوظات احمدیہ: ۴/۱۴۲
۸ کشتی نوح: ص ۴۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

③ اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب کو یہ بیماری یک بارگی لاحق نہیں ہوئی بلکہ مرزا صاحب اس بیماری میں آہستہ آہستہ گرفتار ہوتے گئے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے نبوت کا اعلان یک لخت نہیں کیا بلکہ پہلے پہل وہ ایک مبلغ اور مصلح کی حیثیت سے سامنے آئے[1]، پھر محدث ہونے کا دعویٰ کیا۔ لکھتے ہیں: "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدث کا دعویٰ ہے۔[2] ۱۸۸۴ء میں مجدد ہونے کا اعلان کیا چنانچہ ان کے بقول

"اور مصنف کو بھی اس بات کا علم دیا گیا کہ وہ مجددِ وقت ہے۔"[3]

پھر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا، فرماتے ہیں: "مجھے فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔"[4]

۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا۔ چنانچہ رقمطراز ہیں: "میں مسیح موعود ہوں۔"[5]

حتیٰ کہ آخر کار مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں نبوت ورسالت کا دعویٰ کر دیا۔ فرماتے ہیں:

" سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"[6]

"اس نبوت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"[7]

مختصر یہ کہ مرزا صاحب کے مذہبی خبط عظمت کے وہ وسوسے جو تقریباً ۱۸۷۹ء میں شروع ہوئے، بڑھتے بڑھتے ۱۹۰۱ء میں نبوت کے دعوے پر منتج ہوئے۔ مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں: "حال یہ ہے اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہو رہے ہیں۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے۔"[8]

۱ براہین احمدیہ: ۳/ ۲۳۸
۲ ازالہ اوہام: ص ۴۲۱
۳ تبلیغ رسالت: ۱/ ۱۵
۴ اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت: ۲/ ۲۱
۵ ازالہ اوہام: ص ۶۸۳
۶ دافع البلاء: ص ۱۰، ۱۱
۷ حقیقۃ الوحی: ص ۳۹۱
۸ خط مرزا صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان: جلد ۳، مؤرخہ ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء

magazine.mohaddis.com

④ بعض مریضوں کی طرح آپ کو سمعی اور بصری واہمے Hallucinations آتے تھے۔ اُنہیں آوازیں سنائی دیتی تھیں اور لوگ نظر آتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''میرے پاس جبرائیل آیا اور اس نے مجھے چن لیا۔''[1]

''بعض اوقات دیر دیر تک خدا مجھ سے باتیں کرتا رہتا۔''[2]

⑤ مذہبی خبط عظمت میں مریض محسوس کرتا ہے اور دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اسے الہامات ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ اپنی وحی اور الہامات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

''یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا۔''[3]

''بیس سال سے متواتر اس عاجز پر الہام ہوا ہے۔''[4]

''مجھے اپنی وحی پر ایسا ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن پر۔''[5]

⑥ جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ مذہبی خبطِ عظمت کا مریض سمجھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا منتخب بندہ اور اس کا برگزیدہ خادم ہے۔ خدا نے دنیا کی اصلاح کے لیے اسے بھیجا ہے۔ ایسے لوگ نئے نئے دین وضع کرتے ہیں۔ مذہبی کتابوں اور اصطلاحوں کی نئی نئی تفسیریں ایجاد کرتے ہیں تاکہ اُنہیں اپنے تصورات کے مطابق ڈھال لیں۔

مرزا صاحب چونکہ مذہبی خبطِ عظمت کے مریض تھے چنانچہ اُن کے دعوے بالکل اسی نوعیت کے تھے مثلاً ''خدا نے مجھے امام اور رہبر مقرر فرمایا۔''[6] براہین احمدیہ میں اپنی ذات کے متعلق بار بار اظہار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی اصلاح اور اسلام کی دعوت کے لیے خدا

۱ مواہب الرحمن: ص ۴۳

۲ سیرۃ المہدی از صاحبزادہ مرزا بشیر احمد: ۱/ ۵۸

۳ سراج منیر: ص ۳۰۲

۴ خط مرزا صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹، مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹

۵ اربعین نمبر ۴: ص ۲۵

۶ اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت: ص ۸۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کی طرف سے مامور اور عصر حاضر کے مجدد ہیں، اور اُن کو حضرت مسیح سے مماثلت ہے۔[1]
چنانچہ مرزا صاحب نے ایک نیا دین وضع کیا اور نبی بن گئے۔ اس کے لیے قرآن وحدیث کی عجیب وغریب تشریح اور تفسیر کی جو کہ نہ صرف علمائے امت کے اجماع کے خلاف ہے بلکہ ان کے اپنے ابتدائی خیالات کے بھی برعکس ہے، مثلاً ابتدا میں آپ ختم نبوت کے قائل تھے اور ختم نبوت کے منکر کو کافر سمجھتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم بعد خاتم النّبیین ﷺ کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔"[2]

"اللہ کو شایان شان نہیں کہ خاتم النّبیین کے بعد نبی بھیجے اور نہیں شایان کہ سلسلۂ نبوت کو دوبارہ شروع کردے، بعد اس کے کہ اسے قطع کرچکا ہو۔"[3]

ہم اس بات کے قائل ہیں اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت ﷺ نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا۔"[4]

چنانچہ بعد ازاں جب مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو لفظ ختم نبوت کی عجیب وغریب تعبیر اور تفسیر کی اور اس کو اپنے تصورات کے مطابق ڈھال لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

" وہ (آنحضور ﷺ) ان معنوں میں خاتم الانبیا ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت اُن پر ختم ہیں۔"[5] یعنی 'خاتم النّبیین' کے معنیٰ آخری نبی کے نہیں بلکہ افضل النبیین کے ہیں۔ اسطرح نبوت کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے البتہ کمالاتِ نبوت حضور علیہ السلام پر ختم ہو گئے۔

مرزا صاحب نے اپنی نبوت اور رسالت کے لیے ایک دلچسپ تاویل کی۔ لکھتے ہیں:

"مجھے بروزی صورت میں نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے، اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا، پس نبوت اور رسالت کسی

۱ سیرۃ المہدی از صاحبزادہ مرزا بشیر احمد حصّہ اوّل: ص ۲۹

۲ ازالۂ اوہام: ص ۲۶۱

۳ آئینہ کمالاتِ اسلام: ص ۳۷۷

۴ سراج منیر: ص ۳۰۲

۵ چشمہ معرفت ضمیمہ: ص ۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز، محمد کے پاس ہی رہی۔[1]

⑦ اس مرض کے عام مریضوں کی طرح مرزا صاحب کو بھی یہ مرض ۴۰ سال کے بعد عمر کے دوسرے حصہ میں لاحق ہوا۔ آپ ۱۸۳۹-۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۱ء میں پہلی مرتبہ اپنی تصنیف 'فتح الاسلام' میں مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ بعد ازاں ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

⑧ خبط عظمت کے دوسرے مریضوں کی مانند مرزا صاحب بھی بہت حساس تھے۔ اپنے خلاف تنقید ہر گز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے جن علما نے ان کے دعویٰ نبوت پر تنقید کی، وہ ان پر برس پڑے حتیٰ کہ گالی گلوچ پر اتر آئے۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: "کفن فروش، خبیث، سور، گوں خور۔"[2]

مولانا سعد اللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"غول، لئیم، فاسق، ملعون، نطفہ، سفہار، خبیث، کنجری کا بیٹا۔"[3]

⑨ خبط عظمت کے تمام مریضوں کی طرح مرزا صاحب بھی زبردست احساسِ برتری کا شکار تھے، ان کا یہ احساس اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اوّل تو وہ اپنے آپ کو تمام انبیا کا ہم پلہ اور ہم چشم سمجھتے تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے تئیں جامع کمالاتِ انبیا بلکہ تمام انبیا سے افضل گردانتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الف: خدا نے میرے ہزار ہا نشانیوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت کم نبی ہیں جن کی تائید کی گئی۔[4]

ب: اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جس قدر راست باز اور مقدس نبی گذر چکے ہیں، ایک

2014

۱ ایک غلطی کا ازالہ: ص ۱۲
۲ اعجاز احمدی: ص ۲۳؛ الہامات از مرزا شیخ الاسلام: ص ۱۲۲ حاشیہ
۳ انجام آتھم از مرزا غلام احمد: ص ۲۸۱
۴ تتمہ حقیقت الوحی: ص ۱۴۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیے جاویں، سو وہ میں ہوں۔[1]

ج: اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان پیدا نہ کرتا۔[2]

د: مرزا صاحب اپنے کو حضرت آدم علیہ السلام[3]، حضرت نوح علیہ السلام[4]، حضرت یوسف علیہ السلام[5]، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام[6] سے افضل سمجھتے تھے۔

ر: اور اس شخص (مرزا صاحب) کو تم نے دیکھ لیا جس کو دیکھنے کے لیے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی۔[7]

(۱۰) بقول کول مین ان مریضوں کی اکثریت جنسی مسائل سے دوچار ہوتی ہے۔ مرزصاحب بھی اسی اکثریت میں شامل تھے۔ مرزا صاحب کی قوتِ مردی کمزور تھی جس کا مرزا صاحب کو علم بلکہ پوری شدت سے احساس تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"حالتِ مردی کالعدم۔"[8]

"جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں، آخر میں نے صبر کیا۔"[9]

(۱۱) چونکہ یہ مریض اکثر ذہین افراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ واقعات اور حقائق کو اس طرح توڑ موڑ لیتے ہیں کہ وہ اُن کے وسوسوں پر ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی ابن مریم اور نبی بننے کے لیے حقائق کو توڑتے موڑتے رہے۔ چنانچہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور چونکہ مسیح موعود تو حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب نے خود

۱ براہین احمدیہ حصہ پنجم: ص۶۸، ۱۰۱

۲ حقیقۃ الوحی: ص۹۹

۳ خطباتِ الہامیہ

۴ تتمہ حقیقۃ الوحی: ۱۳۷

۵ براہین احمدیہ حصہ پنجم

۶ تریاق القلوب: ۱۵۷

۷ اربعین حصہ ۴ ص ۱۳

۸ نزول مسیح: ص۲۰۹

۹ مکتوبات احمدیہ جلد نمبر۵ خط نمبر۴

magazine.mohaddis.com

عیسیٰ ابن مریم بننے کے لیے یہ پر لطف تاویل فرمائی:

''اس (یعنی اللہ تعالیٰ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے کہ دو برس تک صفتِ مریمیت میں، مَیں نے پرورش پائی... پھر مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ پر نفخ کی گئی اور استعارے کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر میں براہین احمدیہ کے حصّہ چہارم میں درج ہے، مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے عیسیٰ ابن مریم ٹھہرا۔''[1]

یعنی پہلے آپ مریم بنے پھر خود ہی حاملہ ہوئے، پھر اپنے پیٹ سے آپ عیسیٰ ابن مریم بن کر تولد ہو گئے۔ اس کے بعد یہ مشکل آئی کہ عیسیٰ ابن مریم کا نزول تو احادیث کی رو سے دمشق میں ہوتا تھا جو کہ کئی ہزار برس سے شام کا مشہور و معروف مقام ہے۔ یہ مشکل ایک دوسری دلچسپ تاویل سے یوں رفع کی گئی۔ لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا کہ اس جگہ ایسے قصبے کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔ یہ قصبہ قادیان بہ وجہ اس کے اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، دمشق سے ایک مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے۔''[2]

⑫ خبط عظمت کے اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب کی شخصیت میں بھی کوئی نمایاں خرابی یا نقص نہ تھا بلکہ ظاہراً آپ بالکل نارمل انسان تھے۔ آپ بھی محض اپنے وسوسوں کی حد تک ابنارمل تھے۔ مزید برآں مرزا صاحب اکثر مریضوں کی طرح کافی ذہین اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے چنانچہ آپ نے اپنے خیالات اور نظریات کو نہایت مربوط اور

2014

۱ کشتی نوح: ص ۸۷ تا ۸۹

۲ حاشیہ ازالہ اوہام: ص ۶۳ تا ۷۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مدلل انداز میں پیش کیا جس کی وجہ سے نہ صرف اُن کے قریبی عزیزوں اور دوستوں بلکہ معاشرے کے بعض دوسرے ذہین افراد نے بھی اُن کے دعوے کی سچائی کو مان لیا۔ ڈاکٹر عبد الحکیم خان ۲۰ برس تک مرزا صاحب کے مرید رہے بعد ازاں توبہ کر لی اور مرزا صاحب کے شدید مخالف بن گئے۔

⑬ مریض کو عموماً احساس اور اعتراف ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے نظریات اور خیالات کو درست خیال نہیں کرتے مگر پھر بھی وہ اُن کی واضح تردید سے مطمئن نہیں ہوتا۔ چنانچہ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

”اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ (مولانا ثناء اللہ امرتسری) اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور خسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔“[1]

یعنی مرزا صاحب کو بھی احساس تھا کہ دوسرے لوگ ان کے خیالات کو درست نہیں سمجھتے، مگر مولانا ثناء اللہؒ اور دوسرے علمائے کرام کی واضح تردید سے بھی آپ مطمئن نہ ہوئے بلکہ نبوت کا شوق جاری رکھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مرزا صاحب مذکورہ بالا اشتہار کے ایک سال بعد فوت ہو گئے جبکہ مولانا ثناء اللہؒ امرتسری چالیس سال تک زندہ رہے۔

⑭ اگرچہ مرزا صاحب کو کوئی دوسری شدید ذہنی بیماری Psychosis لاحق نہ تھی جس کی وجہ سے وہ ظاہری طور پر نارمل معلوم ہوتے تھے مگر مرزا صاحب کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد نے ان کی بعض خفیف ذہنی بیماریوں Neuroses کا ذکر کیا ہے مثلاً

”مرزا صاحب کو جوانی میں ہسٹریا کی شکایت ہو گئی تھی اور کبھی کبھی اس کا ایسا دورہ پڑتا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔“[2]

۱ مرزا صاحب کا اشتہار مورخہ ۵/ اپریل ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت: ۱۰/ ۱۲۰

۲ سیرۃ المہدی از بشیر احمد: ۱/ ۱۷

magazine.mohaddis.com

''اور پھر ان سب پر مستزاد مالیخولیا اور مراق کا موذی مرض''[1]

مذکورہ بالا واقعات، حقائق اور دلائل سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خبط عظمت کی کم و بیش تمام علامات مرزا صاحب کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں جس سے یہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب در اصل شدید ذہنی بیماری Psychosis، پیرانائے Parania میں مبتلا تھے اور ان کا دعویٰ نبوت اسی بیماری کے اثر کا نتیجہ تھا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو یہ نفسیاتی بیماری کیوں لاحق ہوئی؟ ہمارے خیال میں اگر پیرانائے کی عام وجوہات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ زیادہ تر مریض انہی وجوہات کی بنا پر اس مرض کا شکار ہوتے ہیں:

(۱) مرزا صاحب کی اس بیماری کی تشکیل میں ان کی پیشہ وارانہ اور ازدواجی زندگی کی ناکامیوں نے اہم کردار کیا ہے۔ آپ کی ابتدائی زندگی عسرت و غربت سے شروع ہوئی۔ لکھتے ہیں:

''مجھے صرف اپنے دسترخوان اور روٹی کی فکر تھی۔''[2] ''بعد ازاں ۶۸-۱۸۶۴ء میں آپ نے سیالکوٹ کی کچہری میں بطور محرر ملازمت کی۔ اس دوران ترقی کے لیے مختاری کا امتحان دیا مگر ناکام رہے۔'' آپ (مرزا صاحب) نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانون کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔''[3]

اسی طرح مرزا صاحب کی ازدواجی زندگی میں کچھ زیادہ کامیاب نہ تھی کیونکہ آپ کی قوت مردمی کمزور تھی۔ لکھتے ہیں: ''جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ آخر میں نے صبر کیا۔''[4] 'حالت مردمی کالعدم۔''[5]

پیشہ وارانہ اور ازدواجی ناکامیوں نے مرزا صاحب کی انا اور وقار کو سخت مجروح کیا۔ جس سے

۱ سیرۃ المہدی: ۲/ ۵۵

۲ نزول المسیح: ص ۱۱۸

۳ سیرۃ المہدی از بشیر احمد: ۱/ ص ۱۳۸

۴ المکتوب احمدیہ: ۵/ خط نمبر ۱۴

۵ نزول المسیح: ص ۲۰۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپ میں اپنی کوتاہی، کمزوری اور کمتری کا شدید احساس پیدا ہو گیا پھر اس احساس کو مٹانے کے لیے آپ نے اپنے آپ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

② اکثر مریضوں کی طرح مرزا صاحب بھی جنسی مسائل (جنسی عدم مطابقت Sexual Maladjustment) کا شکار تھے کیونکہ آپ جنسی لحاظ سے کمزور تھے اور اس کمزوری کی وجہ سے ازدواجی فرائض بہتر طور پر ادا نہ کر سکتے تھے، جس کی وجہ سے ان میں شدید احساسِ جرم (Guilt) پیدا ہوا اور اس کی تلافی کرنے کے لیے اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ دکھانا شروع کر دیا۔

③ ممکن ہے کہ فرائڈ کے نظریے کے مطابق مرزا صاحب کے مذہبی خبطِ عظمت کے پیچھے ہم جنسی تمناؤں اور خواہشات کا ہاتھ ہو۔ ممکن اس لیے کہ مریض کو ایسی خواہشات کا احساس اور شعور نہیں ہوتا کیونکہ یہ خواہشات لاشعوری ہوتی ہیں چونکہ یہ خواہشات نہایت غیر اخلاقی اور ناقابل قبول سمجھی جاتی ہیں جو مریض کو پریشان کرتی ہیں، نتیجۃً مریض احساسِ گناہ اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر اس کی تلافی کرنے کے لیے مرزا صاحب نے اپنے آپ کو بلند و اعلیٰ بنا کر پیش کیا۔ اس طرح اپنے وسوسوں کو ناقابل قبول اور متنفرانہ تمناؤں کے خلاف دفاعی فصیل بنا دیا۔

نوٹ: بلاشبہ مرزا صاحب مختلف موذی امراض میں مبتلا تھے اور یہ انسان کی طبیعت پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے دعویٰ مسیحیت و نبوت کے بارے میں دیگر اسباب و عوامل کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں 'الرحیق المختوم' کے نامور مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف 'قادیانیت اپنے آئینے میں' بہت مفید ہے۔

ادارہ محدث

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عبد المنان کیلانی[1]

'آزادی' اور 'مُساوات' کی مسلّمہ جمہوری اقدار

اسلام کی نظر میں

گذشتہ چار پانچ صدیوں کے اندر یورپ میں بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں ہمہ گیر ہونے کے ساتھ ساتھ عالم گیر بھی ہیں۔ ان کی لپیٹ میں حیاتِ انسانی کا ہر شعبہ اور ہر فرد آیا ہے۔ مشرقی اور مسلم ممالک نے دانستہ اور نادانستہ اُن کے اثرات کو قبول کیا ہے۔ اگر طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو اُن تبدیلیوں کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ دورِ جدید میں ہر فکری تعبیر کے پس منظر میں اُنہیں دیکھا جا سکتا ہے اور یہ تبدیلیاں دنیا میں پہلے سے موجود مکاتب فکر کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ ان حالات میں قدیم مکتبہ ہائے فکر کی طرف سے تین رویے سامنے آئے ہیں:

• خود سپردگی • انکار • جمع و تطبیق

ہر فکر اپنے پس منظر میں ایک گہری ثقافت رکھتی ہے۔ وہ اپنے حاملین کے مخصوص تاریخی رویے کا اظہار کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے قائلین کا عمومی رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی تعبیر کو پسند کرتے ہیں جو ان کی ثقافت کو مزید تاریخی جواز فراہم کرے اور ان کی قدیم تاریخی روش کی حوصلہ افزائی کرے۔ لیکن حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ 'حق' کو ہر حال میں تسلیم کیا جائے اور باطل کی ہر حال میں تردید کی جائے اور حقائق کو اپنی خواہشات کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ جو چیز جہاں بھی ہے، اگر وہ حق ہے تو اسے تسلیم کیا جائے اور اسی طرح باطل جہاں بھی ہے، اس کی تردید کی جائے۔ لیکن اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ اس میں کسی بھی پہلو سے افراط و تفریط نہ آئے۔ جو جتنا حق ہے، اسے بس اتنا ہی حق کہا جائے اور

[1] فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

باطل کو بھی اس کی حد تک ہی تسلیم کیا جائے۔

یورپ کی ان گوناگوں تبدیلیوں میں سے سر دست سیاسی تبدیلی کے حوالے سے چند پہلوؤں پر بات کرنا ہمارے پیش نظر ہے۔ لائق احترام وہی رویہ ہے جو حقیقت پسندانہ ہو!!

فرانسیسی انقلاب، سیاسی تغیر و تبدل کے حوالے سے قدیم و جدید کے دوران حدِ فاصل ہے۔ اگرچہ انقلابِ فرانس سے پہلے بھی زندگی گزارنے کے لیے بالعموم سیکولر طرزِ فکر تشکیل پاچکا تھا لیکن اسے باقاعدہ طور پر مرتب انقلاب کے بعد ہی کیا گیا، چنانچہ اس طرزِ فکر کو سیاسی و قانونی سطح پر تحفظ دینے اور معاشرتی سطح پر اس کی ترویج و تنفیذ کے لیے جو سیاسی نظام متعارف کرایا گیا وہ 'جمہوریت' تھا۔ جمہوریت ایک خاص قسم کا سیاسی نظام ہے جس کی ساخت و پرداخت ہی اس طرح سے کی گئی ہے کہ وہ سیکولر فلسفہ و فکر کو سیاسی لحاظ سے تحفظ کی ضمانت دے۔ جمہوریت کی اساسی اقدار: آزادی اور مساوات ہیں۔ آج جب ان بنیادی جمہوری اقدار کا مطالعہ ہم کرتے ہیں تو اکثر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اکثر یوں ہوتا ہے کہ ہم آزادی اور مساوات کے الفاظ کے متعینہ اور مسلّمہ مفاہیم کو سامنے رکھ کر اسلام کے سیاسی نظام کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو ہمیں اسلامی مساوات اور آزادی، جمہوری مساوات اور آزادی سے بھی زیادہ مثالی شکل میں نظر آتی ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات جس طریقے سے ان اقدار پر روشنی ڈالتے ہیں، اس کی مثال مغرب کے ہاں ناپید ہے اور ہمیں مغربی دنیا پر افسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ وہ من و سلویٰ چھوڑ کر ترکاریاں کیوں مانگ رہے ہیں۔ وہ کیوں ایسے کر رہے ہیں کہ ایک منزل تک پہنچنے کے لیے کشادہ و روشن راستہ چھوڑ کر تنگ و تاریک پگڈنڈیوں کو اختیار کر رہے یا پھر بھول بھلیوں میں اُلجھ رہے ہیں۔ لیکن اس طرح کا تجزیہ کرتے وقت تصویر کا دوسرا رخ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہ آزادی اور مساوات کا ایک فلسفیانہ رخ بھی ہے جو سیکولرازم کی نہ صرف نمائندگی کرتا بلکہ اسے پورا تحفظ دیتا ہے۔

مخصوص تصورات کی ادائیگی کے لیے جب اہل فن الفاظ کا انتخاب کر کے ان پر اتفاق کر لیتے ہیں تو وہ الفاظ اصطلاحات بن جاتی ہیں۔ یعنی ہر اصطلاح اپنے پس منظر میں ایک تصور، سوچ اور فلسفہ رکھتی ہے۔ اور فلسفہ و فکر کسی قوم کے صدیوں کے تاریخی و ثقافتی تعامل سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تشکیل پاتا ہے۔ چنانچہ ہر قوم کا اپنا ایک فلسفہ و فکر ہوتا ہے، اس لیے اہل علم و فن اپنے افکار و نظریات کے اظہار کے لیے اصطلاحات وضع کرتے ہیں، ان اصطلاحات میں دوسری قوم کے ساتھ لفظی اشتراک بھی پایا جاتا ہے تاہم الفاظ کا اشتراک تصورات کے اشتراک کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ کسی قوم کے نظریات صدیوں کے تاریخی و ثقافتی تعامل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اہل مغرب جب آزادی، مُساوات اور حقوق انسانی وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو اس کے پیچھے وہ تصورات یا فلسفہ و فکر مراد نہیں ہوتے جو اہل اسلام کے پیش نظر ہیں۔ کیونکہ ان کا اپنا ایک علیحدہ فلسفہ حیات اور طرز فکر ہے جو کہ اہل اسلام سے جداگانہ بلکہ بعض صورتوں میں متضاد ہے۔ ذیل میں انہی دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تصویر کے دونوں روپ سامنے آجائیں۔

ا۔ مُساوات

مساوات کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی اور مرکزی اُصولوں میں سے ہے۔ شریعت نے اپنے تمام احکامات کے انطباق میں مساوات کی بڑی سختی سے تلقین کی ہے کہ احکام شرعیہ کے نفاذ میں ہر قسم کے رنگ و نسل کے امتیازات کو یکسر ختم کیا جائے۔ معاشرتی وحدت کے لیے جاہلی بنیادوں کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی جائے اور صرف اسلام کی دی ہوئی عالم گیر بنیاد کو اپنایا جائے جو عدل و انصاف اور مساواتِ محضہ پر مبنی ہے۔ جس میں علاقائی و قبائلی تعصّبات اور رنگ و نسب کے امتیازات کی بیخ کنی کی گئی ہے اور جس میں نسلیت کے خطوط صرف ذاتی و شخصی تعارف کے لیے کھینچے گئے ہیں۔

بلکہ اس بات میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلامی مساوات جمہوری مساوات سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ مثلاً جمہوری مساوات کا حصول بڑی طویل جدوجہد، مسلسل کشمکش اور بے دریغ قربانیوں کے بعد ممکن ہوا۔ یعنی آغاز میں جمہوری نظام اپنی ساخت میں مساوات جیسی کوئی خاص تعلیم نہیں رکھتا تھا بلکہ بتدریج تصوری ارتقا اور تجربہ کی بنیاد پر اس میں مساوات کا اضافہ کیا گیا ہے جبکہ اسلام اپنے آغاز بلکہ اپنی اُٹھان سے ہی مساوات لے کر آیا۔

اسلامی مساوات ربانی اور عالم گیر تعلیمات پر مشتمل ہے جبکہ جمہوری مساوات انسانی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عقل اور تجربہ پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے جمہوری مساوات عالمگیر بنیاد، بے لاگ عدل و انصاف اور اعتدال و توازن سے محروم ہے جبکہ اسلامی مساوات ان تمام پہلوؤں کو اپنے اندر بڑی حسن وخوبی اور موزونیت کے ساتھ سموئے ہوئے ہے۔

جیسے کہ اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مساوات شریعت کا اصل الاصول ہے، یہ ساری شریعت کی بنیاد ہے۔ موضوع کی مناسبت سے اس کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قانونی مساوات

شریعت کی نظر میں قانونی طور پر سب برابر ہیں۔ کسی کو بھی 'استثنا' حاصل نہیں۔ اجرائے قوانین میں کسی بھی قسم کی قرابت داری اور محبت کا احساس امر مانع نہیں ہیں، تمام قوانین بلا رعایت و امتیاز جاری و ساری ہوتے ہیں، بلکہ اس بات میں اسلامی مساوات کی انتہا اور طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ نظریاتی وحدت کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ اسلام کا بے لاگ عدل اور مساواتِ محضہ کا مظہر اَتم ہے۔ یہی وہ روح اور اساس ہے جو اس حدیث میں ہمیں نظر آتی ہے:

«قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1]

''آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا گیا، ان میں سے جب کوئی معزز چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

اور یہ کلمات زبانِ نبوت سے اس وقت صادر ہوئے تھے، جب رسول اکرم ﷺ شرع اسلامی کا اجرا کرنے لگے تھے تو آپ ﷺ کی بہت قریبی شخصیت حضرت اُسامہؓ بن زید نے صحابہ کے کہنے کی وجہ سے سفارش کی تھی۔ یہ ہے وہ مساوات جو اسلام کا غازہ ہے، جو عدل کی

[1] صحیح بخاری: ۳۴۷۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

معراج اور انصاف کی انتہا ہے۔ عقل بھی اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ تمام لوگ قانون کی نظر میں یکساں ہوں۔ کیونکہ اگر ایسے نہیں ہو گا تو قانون کا عزت و احترام لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے گا اور قانون وہ زنجیر ہے جو معاشرتی انتشار کو وحدت و یگانگت میں پروتی ہے اور قانون ہی وہ ترازو ہے جو معاشرتی اعتدال کا ضامن ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اس کا احترام دلوں سے رخصت ہو جائے تو پھر معاشرے میں طاقت کا راج اور لا قانونیت کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ جو معاشرہ لا قانونیت کی دلدل میں پھنس جائے اور انارکی کا شکار ہو جائے تو اسے تباہی و بربادی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ چنانچہ قانون کا احترام لازمی ہونا چاہیے اور وہ اسی وقت ممکن ہے جب قانون مساوات کا حامل ہو۔

نظریاتی و فلسفیانہ مُساوات

مُساوات کا ایک مفہوم تو وہ تھا جو ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں یعنی قانونی و سیاسی مساوات یا پھر جمہوری مساوات، لیکن مساوات کا ایک نظریاتی و فلسفیانہ رخ بھی ہے۔ جو اس وقت سامنے آتا ہے جب انسانی معاملات لادین اور سیکولر طرز فکر کے زیر سایہ تشکیل پانے لگیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ جمہوری نظام وضع ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ اس 'نظریاتی مساوات' کو تحفظ فراہم کرنے کی ضمانت دے۔

یہ مساوات... خیر و شر، اچھائی اور بُرائی، نیکی اور بدی کے تصور کے حوالے سے ہے۔ جس میں اس نظریے کو اہمیت حاصل ہے کہ ایک انسان اپنی نجی زندگی میں جو چاہے، وہ طرزِ زندگی اپنائے۔ جس کام کو چاہے اچھا کہے اور جسے چاہے بُرا کہہ لے، اس میں اختیار حاصل ہے۔ وہ چاہے تو مندر جائے، چاہے تو مسجد، چاہے تو زناکاری کرے، چاہے عبادت گزاری، الغرض اپنی نجی و انفرادی زندگی میں وہ جو چاہے کرے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن نظریاتی مساوات یہ کہتی ہے کہ کسی کو بھی موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے اور ہر کسی کا یکساں احترام کیا جائے اور ہر کسی کی آئیڈیالوجی کو خیر تصور کریں اور برداشت کا رویہ اپنایا جائے۔ اس میں ایک مخصوص نظریہ و فلسفہ زندگی کو آپ بہتر نہیں کہہ سکتے بلکہ سب برابر ہیں۔ یہی وہ نظریاتی و فلسفیانہ تصورِ مُساوات ہے جس کے تحفظ کے لیے جمہوری سیاسی نظام، جمہوری

magazine.mohaddis.com

قانون، جمہوری معاشی نظام وضع کیے گئے بلکہ ایک جمہوری معاشرے کے خطوط اسی تصور پر کھینچے گئے ہیں۔

اسلام کی نظر میں یہ مساوات کچھ بھی اہمیت و وقعت نہیں رکھتی۔ اسلام ایک نظریۂ حیات ہے اور وہ دنیا و آخرت کی کامیابی صرف اپنے ساتھ ہی مربوط کرتا ہے۔ اپنے غلبے کے لیے جدوجہد کرنے پر زور دیتا اور تلقین کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو 'الحق' سے تعبیر کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ صرف وہی طرزِ زندگی درست ہے جسے وہ اپنانے کی دعوت دیتا ہے، البتہ باقی طرزہائے حیات کو برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے، چناں چہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾[1]

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے۔"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾[2]

"کچھ زبردستی نہیں دین میں۔ بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیکی راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔"

الغرض مساوات کا ایک تصور اسلامی ہے، جہاں قانون و شرع کی نظر میں سب برابر ہیں، یہ مساوات کا صحیح تصور ہے۔ لیکن اہل مغرب کے ہاں مساوات کا تصور خیر و شر، نیکی اور برائی میں انسانی حق ہونے کی بنا پر مساوات ہے، ظاہر ہے کہ ہر دو کے ہاں ایک ہی لفظ کے دو پہلو باہم متضاد ہیں۔ اور یہ مساوات اسلام میں بالکل ناقابل قبول ہے۔ اس لئے مغرب کا تصورِ مساوات بالکل اور مفہوم اور مختلف تناظر رکھتا ہے۔ جمہوریت جس تصورِ مساوات کی

1 سورۃ الفتح:۲۸

2 سورۃ البقرۃ:۲۵۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

بات کرتی اور جس کو پروان چڑھاتی ہے وہ مغرب کا دیا ہوا تصورِ مساوات ہے، اس لئے اس سے بچنا از بس ضروری ہے اور مسلمانوں کو جمہوریت کے لفظ مساوات سے دھوکا ہر گز نہیں کھانا چاہئے۔ جمہوریت کی قدر مساوات، اسلام کے تصورِ مساوات سے یکسر مختلف ہے!!

۲۔ آزادی

'آزادی' ایک ایسا حق ہے جس کا دورِ جدید میں مغرب نے بہت زیادہ چرچا کیا ہے۔ آج اگر سارے مغربی فلسفے کا تجزیہ کریں تو وہ سارے کا سارا اسی بنیادی حق کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔ آزادی مغرب کی 'قدرِ مطلق' ہے۔ اسی کی بنیاد پر وہ اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جس تصورِ حیات میں جس قدر آزادی کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہو، ان کے ہاں وہ اسی قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے برعکس جس نظریۂ زندگی میں انسانی آزادی جس قدر سلب ہو گی وہ اسی کی نسبت سے کم وقعت ہو گا۔ اگرچہ آزادی کی یہ بحث یا فلسفہ آغاز میں تو محدود سا دائرہ رکھتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ حالات کے تقاضوں اور عوامی شعور کے مطابق وسعت اختیار کرتا چلا گیا۔ مثلاً سترہویں، اٹھارویں صدی تک جب کلیسا، بادشاہوں اور جاگیرداروں کا ظلم و ستم اپنی انتہاؤں کو چھونے لگا تو یورپی عوام کی طرف سے بغاوت کرتے ہوئے یہ مطالبات سامنے آئے:

a مذہبی تعبیرات کی بجائے، سائنسی تحقیقات میں آزادی ہو۔

b کلیسا اور بادشاہوں کے سیاسی جبر کی بجائے، آزادانہ سیاسی نظام ہو۔

c جاگیردارانہ معاشی سرکل اور مذہبی و سیاسی ظالمانہ ٹیکسوں کی بجائے آزادانہ سرمایہ کاری ہو۔

اگر 'آزادی' کا تاریخی پس منظر سمجھیں تو ابتدائی طور پر آزادی کی یہی تین سطحیں سامنے آتی ہیں۔ یعنی سائنسی، سیاسی اور معاشی سطح پر آزادی حاصل ہو۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تصور آزادی نے سارے کے سارے مغربی فلسفے کو اپنے احاطے میں لے لیا اور زندگی کے ہر شعبے میں اسی پیمانے کے مطابق اقدار کا تعین کیا جانے لگا چنانچہ آزادی ہی خیر و شر کا معیار ٹھہری۔ اس کی بنیاد پر ملکی قوانین تشکیل دیے جانے لگے، حتیٰ کہ اس کی بنیاد پر مذاہب کو بھی پرکھا جانے لگا۔ وہ مذہب مطعون ٹھہرایا جانے لگا جو مذکورہ انسانی آزادی کو

magazine.mohaddis.com

سلب کرتا ہے۔

روایت پرستی اور اسلاف سے انقطاع اسی کی وجہ سے کیا گیا۔ سائنسی تحقیقات و ایجادات کے فکری پہلوؤں کی تعبیر بھی اسی کے مطابق کی گئی۔ الغرض انسانی معاشرے کی بنا ایسے نئے فلسفوں کے مطابق رکھی گئی جو اپنے طرزِ فکر، اپنی تعبیر اور اپنی اصل میں 'آزادی' کو ہی قدرِ مطلق تصور کرتے تھے۔

آج جب اسلامی مفکرین یا اسلامی سکالرز اسلامی ربانی تعلیمات کا مغرب کے خود ساختہ نظریات سے موازنہ کرنے لگتے ہیں تو وہ مغربی آزادی کو عین اسلامی آزادی قرار دینے کی غلطی کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پیش نظر مغربی آزادی کے فلسفیانہ پہلوؤں کی بجائے قانونی، سیاسی یا زیادہ سے زیادہ مذہبی آزادی کا تصور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں اہل مغرب کے ہاں بھی آزادی کے یہی پہلو تھے۔ لیکن آج ان کے ہاں اسے ایک فلسفہ حیات کے طور پر لیا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں ہم دیکھیں تو پھر آزادی کے دو مغربی مفاہیم ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں سے ایک کے ساتھ تو اسلام بس اپنی ظاہری سی شکل میں لگا کھاتا ہے، اگرچہ روح اور حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں بھی اسلامی نظریہ حیات مختلف ہے۔ جبکہ دوسرے تصورِ آزادی سے تو کسی اعتبار سے لگا بھی نہیں کھاتا۔ چنانچہ ہم ذیل میں آزادی کے دونوں مفاہیم کا اسلام کے ساتھ تفصیلی موازنہ پیش کرتے ہیں:

① آزادی کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی نقل و حرکت میں آزاد ہو، ہر طرح کے ظلم و جبر سے محفوظ ہو۔ نقل مکانی کرنے میں آزاد ہو، حکومت اسے قانونی جواز کے بغیر گرفتار، قید اور نظر بند نہ کر سکتی ہو۔

یہ آزادی کا قانونی و سیاسی پہلو ہے۔ اسلام بھی اپنے فلسفہ حیات کے مطابق اسے تسلیم کرتا ہے، چنانچہ اسلام ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے انسان کو محفوظ کرتا ہے۔ اسلامی شریعت کے مقاصد ہی یہی ہیں کہ انسانی جان، مال، عزت و آبرو اور عقل کی حفاظت کی جائے۔ اسے ہر طرح سے دستِ ظلم کا شکار ہونے سے بچایا جائے۔ اسلام نے انسان کے ان بنیادی حقوق پر دست درازی کرنے والوں کے خلاف ایسی سخت اور حکمت پر مبنی سزائیں مقرر کی ہیں کہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

انسانی عقل اس طرح کی سزائیں متعین کرنے سے قاصر ہے تاکہ ایک فرد کو مکمل طور پر ہر طرح کی حفاظت میسر آجائے۔ شریعت کی اسی روح کو واضح کرنے کے لئے فقہا نے یہ بنیادی قاعدہ کلیہ بنایا کہ "الاصل براءة الذمة" جس کے معنی یہی ہیں کہ جب تک کسی کے خلاف جرم ثابت نہ ہو وہ بری الذمہ ہے۔ قانونی و شرعی طور پر اس کی کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کسی دوسرے شخص کے جرائم کا بوجھ بھی اس پر نہیں ہو گا... ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی﴾[1]

اس ضمن میں واضح رہے کہ فقہا کے مذکورہ مسلّمہ قاعدے کے تحت ذمّی بھی شامل ہیں۔ جب وہ جزیہ ادا کر دیں تو اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ ان کی حفاظت بھی اسی طرح کرے جیسے مسلمانوں کی جاتی ہے۔ سیدنا علیؓ کا فرمان ہے:

"إنما بذلوا الجزية فتكون أموالهم كأموالنا ودماؤهم كدمائنا"[2]

"انھوں نے جزیہ اس لیے خرچ کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔"

نیز کئی ایک نصوص شرعیہ سے بھی اس چیز کی تلقین ملتی ہے۔ اسی طرح نقل و حرکت اور نقل مکانی کی آزادی کا بھی اسلام فطری دائرہ حیات میں رہتے ہوئے قائل ہے۔

اس باب میں اسلام کسی پر کوئی خاص پیشہ اپنانے کی پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ وہ حلال اشیا اور جائز طریقوں سے کمانے کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ پھر فرد کو معاشرے کی بھینٹ نہیں چڑھاتا۔ ایک فرد جب اس کی عائد کردہ شرائط کے مطابق کماتا ہے تو وہ اسے یہ نہیں کہتا کہ اجتماعی وریاستی فلاح و بہبود کی خاطر اپنی اس ساری جائز دولت سے دست کش ہو جاؤ، بلکہ وہ انفرادی ملکیت کا قائل ہے۔ پھر وہ فرد کو ہی ملکیتی حقوق دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس جائز مال میں سے ایک محدود حصہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے بھی مختص کرتا ہے۔ تاکہ معاشرہ ارتکاز دولت اور معاشی افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال اور توازن کی بہترین

1 سورۃ الاسراء: ۱۵

2 المغنی: ۸/ ۴۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور روشن شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔

اسی طرح نقل مکانی کرنے کے حوالے سے بھی اسلام سیاحتِ ارضی اور دینی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ہجرت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کرۂ ارض کی وسعتوں اور گہرائیوں میں جابجا عبرت کے صفحات بکھرے پڑے ہیں، اُنہیں پڑھو اور ساری زمین پر حقیقی ملکیت خدا کی ہے اور سارے انسان خدا کی ملکیت ہیں، اس وجہ سے اس زمین پر تمام انسانوں کا یکساں حق ہے۔ البتہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے بعض انسانوں کو مجازی طور پر مالکانہ حقوق دے رکھے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس بنی نوع انسان نے ان بعض مجازی ملکیتوں پر عصبیت کی ایسی گہری لکیریں کھینچ لیں ہیں جس کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے اوپر زمین کو وسعتوں کے باوجود تنگ کر لیا ہے۔ اس مادی اور بے بنیاد سی چیز کو اعلیٰ روحانی رشتوں کا سا تقدس دے رکھا ہے۔

یا خدایا! انسانیت کو اسلامی معاشرتی وحدت کا شعور و فہم عطا فرما!!

نظریاتی فلسفہ آزادی

دوسری طرف آزادی کا اگر فلسفیانہ و نظریاتی سطح پر جائزہ لیا جائے تو اس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری رقم طراز ہیں:

''جمہوریت کا جواز فرد کی آزادی (یعنی عبدیت سے انکار) کے تصور پر مبنی ہے اور آزادی کا تصور فرد کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ نجی زندگی Private life ۲۔ اجتماعی زندگی Public life

پرائیویٹ لائف سے مراد کسی شخص کی زندگی کا وہ گوشہ ہے جس میں وہ خیر وشر اور خواہشات کی ترجیحات کا جو پیمانہ طے کرنا چاہے کر سکے۔ جمناسٹک کلب جانا چاہے تو جا سکے، بندوں کی زندگی کے حالات جمع کرنے پر پوری زندگی صرف کرنا چاہے تو کرے، شراب خانہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے اور اگر مسجد یا گرجا وغیرہ کی سیر کرنا چاہے تو کر لے۔''[1]

۱ 'اسلامی بنکاری اور جمہوریت' از زاہد صدیق مغل: ص ۳۰۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

گویا اپنی نجی وانفرادی زندگی میں انسان آزاد ہے، وہ جس طرزِ فکر کو چاہے، اپنا لے اور جو کام اپنی زندگی میں چاہے کر لے۔ آخرت کیا ہے؟ خدا اور رسول کے فرمودات کی کیا حیثیت ہے؟ وہ کیا تلقین کر رہے ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں اس دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اور جس کا میں مشاہدہ کر رہا ہوں اور جو مسائل مجھے درپیش ہیں وہ ایک حقیقت ہیں، کیونکہ حقیقت کا تعلق صرف محسوسات سے ہے۔ اپنے ان دنیاوی مسائل کو میں نے کیسے حل کرنا ہے؟ ان تلخ حقائق کا مجھے سامنا کیسے کرنا ہے؟ وہ اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کا ثمر مجھے اس دنیا میں نظر آنا چاہیے۔ یہ ہے وہ مغربی طرزِ فکر جسے ایک مسلّمہ قدر کی حیثیت حاصل ہے۔

اسی بنا پر طے پایا کہ 'مثالی زندگی کا حصول امن سے ممکن ہے اور پر امن بقائے باہمی یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ان کی نجی زندگی میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور مذہب کو بھی نجی زندگی کا ہی ایک حصّہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ مذہبی واُلوہی ہدایات و تعبیرات زندگی کے پیش آمدہ مسائل کا مناسب، معتدل اور قابل عمل حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ایک انفرادی و نجی مسئلے کا درجہ دیا جائے۔ سیاست، معیشت اور معاشرت سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔ یہ وہ فکری قضیہ ہے جو یورپ میں صدہا برس کے تاریخی عمل کے بعد تشکیل پایا ہے اور جسے آج پوری دنیا میں ردّ و قدح کے بعد لاشعوری طور پر تسلیم کیا جانے لگا ہے اور حیات انسانی کی عملاً ترتیب و تشکیل بھی کی جانے لگی ہے۔ اسی بنا پر کہا جانے لگا کہ انسان اپنی نجی زندگی میں آزاد ہے، وہ جو چاہے کرے۔ لیکن کسی دوسرے کو کوئی حق نہیں کہ وہ اسے قابلِ ملامت ٹھہرائے۔

اسی طرح اجتماعی زندگی کے حوالے سے ڈاکٹر جاوید اکبر رقم طراز ہیں:

''پبلک زندگی سے مراد فرد کی زندگی کا وہ حصّہ ہے جو وہ دوسرے افراد کے ساتھ تعلقات قائم کر کے گذارتا ہے اور ان تعلقات کے نتیجے میں ایک معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے۔ جمہوری ریاست میں ان تعلقات کی بنیاد افراد کی

magazine.mohaddis.com

اغراض اور خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، نیز اجتماعی فیصلے اس بنیاد پر طے ہوتے ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ آزادی یعنی سرمائے کا حصول چاہتے ہیں۔"[1]

یعنی جب مادی زندگی اصل حقیقت قرار پائی اور مذہب انسان کی زندگی کا نجی مسئلہ طے پایا تو اجتماعی زندگی یا اجتماعی مسائل کے حل اور اجتماعی تعلقات کی استواری کی بنیاد عقل محض طے پائی تو نتیجۃً اس حرص وہوا اور مغلوب الشہوات پیکرِ خاکی نے یہی طے کیا کہ انسانی تعلقات کو ایثار و محبت جیسی لازوال روحانی دائمی بنیادیں فراہم کرنے کی بجائے اغراض ونفسانیت جیسی وقتی بنیادیں فراہم کی جائیں۔ پھر اسی وجہ سے اس غرضی و نفسی تعلق کی ان صورتوں کو قانونی انداز میں منظّم شکل دی جن میں آزادی کو انتہائی ممکنہ حد تک ملحوظ رکھا گیا۔ چنانچہ آزادی کے اس تصور کی اسلام میں پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں۔ وہ اس دنیا کی تکمیل آخرت کے تصور کے ساتھ کرتا ہے۔ ایک اگر عمل ہے تو دوسرا اس کی جزا ہے۔ ایک اگر کھیتی ہے تو دوسرا حاصل ہے۔ ایک ابتدا ہے تو دوسرا انتہا ہے!!

اسلام حیاتِ انسانی کو اُلوہی و ربانی بنیادوں پر تشکیل دیتا ہے۔ اسلام اعمالِ انسان کا ایک مخصوص سانچہ تیار کرتا ہے، جس میں انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد لازوال روحانیت کو قرار دیتا ہے۔ وہ زندگی کو انفرادی واجتماعی جیسے غیر منفک اجزا میں تقسیم کرنے کا تھوڑا سا بھی روادار نہیں ہے۔ دونوں کو ایک ہی زاویۂ نظر سے دیکھتا ہے، اسی بنیاد پر اپنے قانون اور نظم وانضباط کی بنیادیں اُٹھاتا ہے اور اسی کو وہ فطری دائرۂ حیات کہتا ہے۔ اس سے انحراف کو مسخ فطرت جیسی کوششوں کے مترادف قرار دیتا ہے۔

الغرض آزادی کا یہ تصور اسلامی نقطہ نظر کے مطابق کسی صورت میں بھی لگا نہیں کھاتا۔ لہٰذا اسلامی تصوراتِ مُساوات و آزادی بمقابلہ مغربی تصورات آزادی و مساوات اپنے روح و مقصد میں بالکل مختلف ہے اور جو ظاہری و قانونی شکلیں کچھ تھوڑا سا لگا کھاتی بھی ہیں تو وہ متضاد سَمتوں میں گامزن شاہراؤں کا اتفاقی حادثہ ہے۔ اپنی منزل و ہدف کے اعتبار سے دونوں یکسر متضاد ہیں!!

1 ایضاً

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ابو سعود عبد الجبار سلفی

طائفہ منصورہ اہل حدیث کی مساعی مشکورہ

پر ائمہ اعلام کا خراجِ تحسین

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت یا کوئی فرد بشر ایسا نہ ہو گا جسے تمام لوگوں نے اچھا کہا یا سمجھا ہو، لیکن دیکھنا چاہیے کہ کسی جماعت یا فرد کو اچھا یا برا کہنے یا سمجھنے والوں کا اپنا وزن اور قد کاٹھ کیا ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے ناقدین بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اہل اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے، لیکن وہ نفسانیت کی بنا پر آسمانی شریعت کے ستاروں اور ہدایت کے میناروں پر تھوکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور پہاڑی بکروں کی طرح علم و عمل کے پہاڑوں کو ٹکریں مار مار کر اپنے سینگ اُکھڑوا بیٹھتے ہیں اور اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ صدیوں سے طائفہ منصورہ اہل حدیث کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے، بتغیر یسیر علامہ آلوسی کے بقول

إذا بلغ الفتيان سماك بفضلهم   كانت كعدد النجوم عداهم

رموهم عن حسد بكل كريهة   لكــن لا ينقصون عــلاهم[1]

"جب کچھ خوش نصیب نوجوان اپنی خوبیوں کی بدولت آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگیں تو موسم برسات کی جڑی بوٹیوں کی طرح اُن کے دشمن نمودار ہونے لگیں گے۔ وہ حسد کی بنا پر اُن پر ہر بری بات کا الزام دھریں گے، لیکن وہ اُن کی فلک بوس شان کو گھٹا نہ سکیں گے۔"

حسب سابق اس دنیا میں سب سے زیادہ پروپیگنڈا طائفہ منصورہ اہل حدیث کے برخلاف ہو رہا ہے۔ اہل بدعت کے تمام فرقے اُنہیں حشویہ، مجسمہ، مشبہہ، نواصب، وہابیہ، نجدیہ وغیرہ ناموں سے پکارتے ہیں اور ان کے جذبہ جہاد و حریّت کو بھسم کرنے اور ان کی دعوت واصلاح

1 التراتيب الإدارية: ١/ ٨٠

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اور رجوع الی القرآن والسنہ کو دبانے کے لیے ماسکو، واشنگٹن، دہلی اور تل ابیب کا پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا باہم متفق ومتحد ہو چکا ہے۔ اور دن رات ان کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف ہے، لیکن بقول شاعر

نورِ الٰہ ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

رسولِ کریم ﷺ نے صدیوں قبل آگاہ فرمایا تھا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ» وفي رواية «لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»[1]

"میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر قائم اور منصور رہے گا، اُس کی نصرت سے کترانے اور اُس کی مخالفت کرنے والا اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔"

امام ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"طائفہ سے مراد لوگوں کی ایک جماعت ہے اور طائفہ کے لفظ کو یا تو قلت کی وجہ سے نکرہ استعمال کیا گیا ہے یا تعظیم کی وجہ سے کہ ان کی قدر و منزلت عظیم ہے اور ان کی فضلیت وہم وگمان سے بھی بڑھ کر ہے اور یہ لفظ تکثیر کا احتمال بھی رکھتا ہے، کیونکہ وہ قلتِ تعداد کے باوجود کثیر سمجھے جائیں گے اور ہزار کی تعداد رکھنے والے لوگ اُن کے ایک فرد کے برابر بھی نہ ہوں گے اور آپ ﷺ کے فرمان 'منصورین' سے مراد دلائل وبراہین یا شمشیر وسنان سے اُن کا فتح یاب ہونا ہے اور مصنف نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کر کے دلائل وبراہین سے مسلح اہل علم کا گروہ مراد لیا ہے۔"[2]

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گروہ متکلمین میں سے ہے، یا مقلدین میں سے یا متصوفین میں سے ہے یا محدثین میں سے۔ اس بحث پر ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے متقدمین ائمہ اعلام اور فقہاے کرام اور صلحاے اُمتِ محمدیہ کی تحریروں سے صراحت ووضاحت پیش کریں گے جن

1 صحیح مسلم: ۱۷۰؛ جامع ترمذی: ۲۱۹۲

2 حاشیہ سنن ابن ماجہ: ۱/۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سے از خود آشکارا ہو جائے گا کہ طائفہ منصورہ سے کون لوگ مراد ہیں جو جناتِ عدن میں داخل ہوں گے، اگرچہ دنیا میں اُن کو برے القاب دے کر خون کے گھونٹ پلائے جا رہے ہیں۔

① چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور امام محمد بن حبانؒ اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد اس طائفہ منصورہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفین و اَخیار کے فرامین و آثار کو اُن کی اصلی صورت میں لکھنے اور لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے ایک گروہ کو چن لیا اور اسے اپنے اَبرار کے سنن و آثار کو اپنے اوپر فرض سمجھنے والوں کے راستے پر چلنے کی ہدایت عطا کی اور اس (گروہ کے لوگوں) کے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا اور اس کی زبانوں کو اپنے دین کے اُصولوں کی تشریح اور اپنے رسول کریم ﷺ کی سنن کی تعلیم و تبلیغ اور اتباع پر لگا دیا۔ چنانچہ اس گروہ نے لوگوں کے اقوال اور نظریات کو ترک کر کے سنن مصطفیٰ کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اُن میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے گھر بار اور وطن عزیز کو خیر باد کہہ دیا اور وہ سواریوں پر سوار ہو کر طلبِ حدیث کے لیے چل پڑا۔ وہ اس مقصد کے لیے راویانِ حدیث کے پاس گیا اور ان سے جو کچھ سنا، اسے لکھ لیا اور پھر ان روایات پر آپس میں مذاکرہ و مناقشہ کیا اور اُنہیں اچھی طرح سمجھ کر دین کا اصل قرار دیا اور اس سے فروعاتِ دین کو مدوّن کیا اور اس نے دین اسلام کو نکھار کر اصلی صورت میں پیش کرنے کے لیے متصل اور مرفوع احادیث کو مرسَل اور موقوف احادیث سے الگ کر دیا اور ناسخ سے منسوخ اور محکم (پختہ) سے مفسوخ (شکستہ) روایات کو جدا جدا کر دیا اور مفصّل روایات کو مجمل روایات سے نمایاں کر دیا اور اس پاکباز گروہ نے مختصر روایات کو مطول روایات اور متقصّیٰ (چھنے ہوئے) آثار سے جڑے ہوئے آثار کو اور عموم احکامات سے مخصوص احکام کو جدا کر دیا اور دلیل سے منصوص اور مزجور (ڈانٹ پڑنے والے) اُمور کو مباح (جائز) اُمور سے شناخت قائم کر دی اور اس نے غریب روایات سے مشہور روایات کو اور فرض اُمور سے رشد و رہنمائی کے اُمور کو جدا کر دیا۔ مزید برآں اس نیک طینت گروہ نے حتمی نوید والے اعمال کو وعید والے اعمال سے الگ الگ کر دیا اور اس نے عادل راویانِ حدیث کی مجروح راویوں سے اور ضعیف

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

راویانِ حدیث کی متروک راویوں سے فہرستیں الگ کر دیں اور اُس نے معمول سے مجہول کی اور محروف سے مخذول کی نشان دہی کر دی اور مقلوب (اصل کے برعکس) سے منحول (غلط طور پر منسوب) کو اور مدلسین کی تدلیس کے آثار و نشانات کو آشکار ااور واضح کر دیا اور اللہ نے اس گروہ کے ذریعے مسلمانوں کے دین کی حفاظت کی اور اس نے خلافِ عقل و نقل موضوع اور ضعیف روایات تلاش کر کے اسلام کو بدنام کرنے والوں سے بچایا۔ اور اس طائفہ منصورہ کو جھگڑوں میں فیصل اور اندھیروں کا چراغ بنایا، چنانچہ یہ گروہ ہی انبیا کا وارث اور اس کے اصفیا کا محبوب ہے۔''[1]

(۲) حضرت رسولِ کریم ﷺ کے فرامین کے ساتھ اس طائفہ منصورہ کے شغف کی وجہ سے ہی اس کے حقیقی قدردان حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نمازِ تہجد میں اپنے حق میں دعا کیا کرتے تھے کہ اللهم احشرني مع أهل الحديث وزمرتهم يوم القيامة[2]
''اے اللہ! قیامت کے دن میرا حشر اہل حدیث اور ان کی جماعت کے ساتھ کرنا۔''

(۳) چوتھی صدی ہجری کے مشہوم امام قاضی حسن بن عبد الرحمٰن رامہرمزیؒ طائفہ منصورہ (اہل حدیث) کا دفاع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حدیث سے پرخاش اور بیر رکھنے اور اہل حدیث سے بغض رکھنے والوں میں سے کچھ افراد نے اصحابِ حدیث کی عزت گھٹانے اور اُنہیں لوگوں کی نظروں میں گرانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور وہ ان کی مذمت کرنے اور اُن پر بہتان تھوپنے میں انسانیت کی حد سے گذر گئے ہیں، جبکہ اللہ نے علم حدیث کو شرف بخشا ہے اور اس کے حاملین کو فضیلت عطا کی ہے اور اسے ہر مجلس کا حکَم اور فیصل بنایا ہے اور اسے ہر علم پر اوّلیّت عطا کی اور اس کے حاملین اور اس سے تعلق رکھنے والوں کا نام بلند کر دیا ہے۔ چنانچہ اہل حدیث، دین اسلام کے سائبان کا مرکزی بانس اور ستون ہیں اور روشن دلائل و براہین کا مینار ہیں۔ وہ اس فضیلت اور اعزاز کے مستحق کیوں نہ ہوں؟ جبکہ اُنہوں نے اُمّتِ محمدیہ کے دینِ حق کی نگہبانی اور پہرے داری کا فریضہ سر انجام دیا

۱ صحیح ابن حبان: ۱/۱۰۱
۲ تذکرۃ الصالحین از مولانا شمس الدین اکبر آبادی بحوالہ 'تلاش' از سید مسعود احمد، بی ایس سی، کراچی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے اور تنزیل (آیات) کے شانِ نزول اور اس کے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کو محفوظ کر لیا ہے اور ہر اس اثر اور حدیث کو رقم و رسم کر لیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی شان و عظمت بیان ہوئی، چنانچہ اُنھوں نے ہی آپ ﷺ کے مشروع اعمال کو رقم اور مشاہدات کو مدوّن کیا ہے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت پر دلائل و اعلام سے بھرپور تصانیف لکھی ہیں اور آپ ﷺ کی عترت اور آپ ﷺ کے آباؤ اجداد اور قبیلے کے فضائل و مناقب جمع کرنے کے لیے دنیا بھر کے کتب خانے کھنگال دیے ہیں اور اس مبارک مقصد کی خاطر انھوں نے دستیاب ہونے والی روایات کی تحقیق و تنقیح کی ہے اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اُنہوں نے انبیاے کرام کی سیرتیں اور شہدا کے مقامات اور صدّیقین کے واقعات بیان کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کے سفر و حضر اور اقامت و رحلت، سونے اور جاگنے، اشارہ و تصریح، گفتگو اور خاموشی، بیٹھنے اور اُٹھنے، کھانے اور پینے، سواری اور لباس، رضا مندی اور ناراضی، انکار و قبول جیسے تمام احوال کو محفوظ کر لیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ناخن تراشنے اور انھیں کام میں لانے اور ناک سے بلغم خارج کر کے اسے پھینکنے کی جہت تک کو بھی بیان کر دیا اور ان مبارک کلمات کو بھی حفظ کر لیا جو آپ ﷺ ہر موقع پر کہتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اُنھوں نے اس بنا پر کیا کہ اُنھیں آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے انتہا درجے کی محبت و عقیدت تھی اور اُنھوں نے اس بات کی شدید خواہش کی کہ ہماری طرح تمام لوگوں کے دل میں آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ ﷺ کے اعمال و افعال کی قدر و قیمت جاگزیں ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنے اوپر اسلام کا حق اور اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کا احترام رکھتا ہے، اس کا مقام و مرتبہ اس عمل سے بلند ہے کہ وہ ان مبارک ہستیوں کی تحقیر و توہین کرے جن کو اللہ نے عزت عطا کی ہے اور ان کے مراتب بلند کیے ہیں اور ان کے دلائل کو غالب اور ان کی فضیلت کو منفرد بیان کیا ہے، بلکہ ایسا آدمی تو اس سیڑھی پر قدم رکھنا گوارا نہیں کرتا جو نبی کریم ﷺ کے ورثا اور خلفا اور وحی جلی و خفی کے اُمنا اور دین اسلام کے پیمانوں اور قرآن و احکام رسول کے ناقلوں پر لب کشائی کی طرف جاتی ہو اور نہ ہی وہ ان لوگوں کو برا کہنے کا سوچ سکتا ہے جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان مبارک کلمات سے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کیا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ [1]

"اور وہ لوگ جنھوں نے نیک اعمال میں انصار اور مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کی اور اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔"

④ آٹھویں صدی ہجری کے مجدد امام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم المعروف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ طائفہ منصورہ کے منہج کی صداقت پر لاثانی استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اہل بدعت میں سے ہر فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ شریعتِ اسلام کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر اُٹھے تھے وہ اسی کا اعتقاد رکھتا ہے اور اسی کو اختیار کیے ہوئے ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث و آثار کے علاوہ دوسرے فرقوں کے حق پر ہونے اور ان کے اعتقاد کے صحیح ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اہل حدیث کے متاخرین اپنے متقدمین سے ہر صدی میں تسلسل کے ساتھ اپنا دین حاصل کرتے ہوئے تابعین تک پہنچ گئے اور تابعین نے اس دین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دین کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور جس سیدھے اور معتدل دین کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی، اس کی معرفت حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ اس طریقے پر چلا جائے جس پر اہل حدیث چلے اور دوسرا جائزہ جو منہج اہل حدیث کے حق پر ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر تم ان کی جدید اور قدیم تصانیف کا اوّل تا آخر مطالعہ کرو گے تو باوجود ان کے ملکوں اور وقتوں کے مختلف ہونے اور ان کے گھروں کے دور دراز ہونے اور ہر ایک کے مختلف برِاعظم میں مقیم ہونے کے اُنھیں اعتقاد کے باب میں ایک ہی طرز اور ایک ہی راستے پر چلتے ہوئے پاؤ گے۔ نہ تو وہ اس راستے سے سرمو منحرف ہوں گے اور نہ ہی دوسرے راستوں کی طرف مائل ہوں گے۔ اعتقاد کے باب میں ان کے دل، ایک ہی دل کی طرح ہیں۔ اس بارے میں ان کی تحریروں میں معمولی سا اختلاف اور فرق نظر نہ آئے گا۔ بلکہ اگر تم ان کی زبانوں سے صادر ہونے والے اقوال اور ان کے اسلاف سے منقول آثار کو جمع کر کے موازنہ

1 المحدث الفاصل: ص ۱۵۹، ۱۶۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کروگے تو تم ان میں اتنی یکسانیت پاؤ گے کہ گویا وہ ایک ہی دل سے نکلے ہیں اور ایک ہی زبان سے جاری ہوئے ہیں۔ بتایئے! کیا اس سے بڑھ کر کسی گروہ کے حق پر ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴾[1] ''تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

⑤ اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ ﴾[2]

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔''

(اس باب میں) اہل حدیث کے اتفاق کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنا دین کتاب و سنت اور (ثقہ راویوں سے) نقل کے راستے سے حاصل کیا تو اس طریق نے ان کو باہمی اتفاق اور اتحاد کا وارث بنا دیا، جبکہ اہل بدعت نے دین کو اپنی آرا سے حاصل کیا تو اس عمل نے ان کو فرقہ بندی اور اختلاف کا وارث بنا دیا۔ کیونکہ ثقہ اور حاذق اور پختہ راویوں سے منقول روایات میں اختلاف بہت ہی کم ہے۔ اگر ان میں کسی لفظ یا جملے میں اختلاف بھی ہوا ہے تو وہ دین میں قادح ہے نہ مضر۔ جبکہ آرا اور خیالات و نظریات میں اختلاف ہی اختلاف ہوتا ہے، اتفاق بہت کم نظر آتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ متاخرین اور متقدمین اصحاب الحدیث وہ عظیم لوگ ہیں جنھوں نے ان آثار کی خاطر باقاعدہ رختِ سفر باندھا اور اُنہیں حاصل کر لیا اور انھوں نے آثار و احادیث کو ان کے سرچشموں سے حاصل کیا اور لوگوں کو ان کی اتباع کی طرف دعوت دی اور اپنے

1 سورۃ النساء:۸۲

2 سورۃ آل عمران:۱۰۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مخالفین کی خرابیوں پر تنقید کی۔ان کے پاس آثار و اسانید کی کثرت ہو گئی اور وہ اس فن میں یوں مشہور ہوئے جسے دیگر ماہرین اپنی ایجادات اور مصنوعات سے مشہور ہوتے ہیں۔

پھر ہم نے ایسی قوم دیکھی جس نے ان آثار کو حفظ کرنے اور ان کی معرفت حاصل کرنے میں کم ہمتی دکھائی اور ان میں صحیح اور مشہور آثار و احادیث کی اتباع سے پہلو تہی برتی اور ان کے حاملین کی صحبت سے گریز کیا اور ان آثار پر ردّ و قدح کی اور ان کے حاملین پر طعن و تشنیع کی اور لوگوں کو ان کے حق سے بے اعتنائی برتنے کا مشغلہ اختیار کیا اور ان آثار اور ان کے حفاظ کے لیے بری مثالیں بیان کیں اور انہیں برے القاب سے بدنام کیا اور انہیں نواصب، مشبہہ، مجسّمہ اور حشویہ وغیرہ نام دیے۔

سو ہم نے روشن دلائل اور مضبوط شواہد کی بنا پر پہچان لیا کہ ان کو اس طرح کے نام دینے والے تمام فرقے ہی دراصل ان القاب کے مستحق ہیں۔"[1]

میں نے بذاتِ خود مقلد حضرات کو اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ احادیث کے مجموعے پنساریوں کی دکانیں اور کباڑ خانے ہیں جہاں سے ہر چیز مل سکتی ہے، جبکہ وہ مقلدین ایسے سفہا کی رکیک تاویلات کے بارے میں اس طرح کا ہذیان نہیں بولتے جو اپنے فقیہ کے غلط استدلال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ میں لفظی و معنوی تحریف سے بھی نہیں رکتے۔حالانکہ اصحاب الرائے کی فقہ اصحاب الحدیث کی فقہ کے سامنے پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

⑥ امام احمد بن حنبل بن سنان القطان آج سے صدیوں قبل کتنی سچی بات کہہ گئے ہیں:

«لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مُبْتَدِعٌ إِلَّا وَهُوَ يُبْغِضُ أَهْلَ الْحَدِيثِ، وَإِذَا ابْتَدَعَ الرَّجُلُ نُزِعَ حَلَاوَةُ الْحَدِيثِ مِنْ قَلْبِهِ»[2]

"دنیا میں کوئی ایسا بدعتی نہ ہو گا جو اہل حدیث سے بغض نہ رکھتا ہو اور جب کوئی آدمی بدعت شروع کر دیتا ہے تو اس کے دل سے حدیث کی حلاوت کھینچ لی جاتی ہے۔"

۱ مختصر الصواعق: ص ۴۹۶-۴۹۹

۲ معرفة علوم الحديث للحاكم: ص ۴

magazine.mohaddis.com

مفتی عبد اللہ

”عمّار خان ناصر کا نیا اسلام اور اُس کی سرکوبی“

صفحات: ۴۳۲ ... مصنّفین: ڈاکٹر مفتی عبد الواحد و مفتی شعیب احمد

عمار خان ناصر صاحب کا تعارف یہ ہے کہ وہ پاک وہند کی مشہور علمی شخصیت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے پوتے اور دوسری مشہور شخصیت مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ کے صاحب زادے ہیں۔ گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے ماہ نامے 'الشریعہ' کے مدیر ہیں۔ معروف طریقے سے مولوی ہیں، لیکن موجودہ دور کے مشہور متجدد جاوید احمد غامدی کے شاگردِ رشید بھی ہیں۔ کچھ عرصے سے اُنھوں نے اپنے استاد غامدی صاحب اور اپنے افکارِ فاسدہ کے پھیلانے کو اپنا مشن بنایا ہوا ہے۔ زیر نظر کتاب میں مفتی صاحب نے عمار خان صاحب کے کچھ افکار پر تنقید کی ہے۔ مفتی صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فریق مخالف کے دعوے اور دلیل کو بلا کم وکاست اس کے اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں اور پھر تفصیل سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ عمار خان ناصر صاحب کی تحریرات اور ان پر مفتی صاحب کی طرف سے کی جانے والی گرفت کو اگر عمار صاحب کی عبارت آرائی سے بالاتر ہو کر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ عمار خان صاحب کے دعاوی اور دلائل پر مفتی صاحب کی تنقید اور گرفت صحیح اور برمحل ہے۔

عمار خان کی جن گمراہیوں کا جواب مفتی صاحب نے لکھا ہے، ان میں کچھ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو پہلے ہی سے اندازہ ہو جائے کہ عمار خان صاحب کی گمراہیاں کیا ہیں اور اس طرح سے ان کو پوری کتاب سمجھنے میں سہولت ہو گی۔

2014

1 دار الافتاء والتحقیق، چوبرجی پارک، لاہور... کتاب مذکور کے ناشر: دار الامین، لاہور 03075687800

magazine.mohaddis.com

عمار خان کے خود تراشیدہ سات اُصول

یہ وہ اُصول ہیں جو منکرین حدیث کے اختیار کردہ ہیں:

① مقبول و مرفوع حدیث سے ایک حکم ثابت ہو۔ اس سے باخبر ہونے کے باوجود اجتہاد و استنباط کر کے اس سے مختلف حکم کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

② قرآن مجمل کی خود تعیین کرے تو وہ ابدی و شرعی ہے اور جو تعیین حدیث سے ہو وہ محض عرف پر مبنی ہے، شرعی و ابدی نہیں ہے۔

③ اجماع (سکوتی) محض ظنّی ہے اور ظنی درجے کی یہ حجّت یہ درجہ ہرگز نہیں رکھتی کہ اس کی بنیاد پر قرآن و سنت سے براہِ راست استنباط کا دروازہ بند کر دیا جائے۔

④ یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ صحابہ و تابعین نے کون سی متعین رائے کس استدلال کی بنیاد پر اختیار کی تھی۔

⑤ صحابہ و تابعین کی آرا اور ان کے فتاویٰ کا ایک مخصوص عملی پس منظر تھا، یعنی اس وقت کے مخصوص سماجی اور معاشی حالات پیش نظر تھے جن سے علیحدہ کر کے ان احکام کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ اور چونکہ وہ مخصوص عملی پس منظر بدل چکا ہے، لہٰذا جو حکم پہلے دور میں سمجھا جاتا تھا، وہ اب اس طرح سے سمجھا نہیں جاسکتا، اس لیے ہمیں نئے پس منظر میں احکام کو معلوم کرنا ہوگا۔

⑥ فقہ و تفسیر کا جو ذخیرہ دورِ اوّل کا ملتا ہے وہ کسی طرح بھی قرآن و سنّت کے علمی امکانات کا احاطہ نہیں کرتا، اس لیے اپنے آپ کو ان فقہی و تفسیری آرا کا نہ تو پابند کرنا درست ہے اور نہ اُن کو قانون سازی کا ماخذ بنانا درست ہے، بلکہ حالات کی تبدیلی میں قانون سازی کا اصل ماخذ نصوص ہی قرار پاتے ہیں۔ غرض ائمہ سلف کی آرا معیار نہیں، بلکہ جو اُمور معیار ہیں وہ یہ تین چیزیں ہیں:

۱۔ مزاج ۲۔ شرعی نصوص ۳۔ نئے حالات کے تحت نئے احکام

⑦ عمار صاحب جس حدیث کو اپنے مخالف پاتے ہیں، اس کو علی الاطلاق ضعیف کہہ کر اس کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اہمیت کو گھٹاتے ہیں، مثلاً وہ حدیث جس میں عورت کی دیّت کو مرد کی دیت کا نصف قرار دیا ہے، عمار صاحب اس کو ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ بعض قرائن وحالات میں (جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں) ضعیف حدیث سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ (دیکھیے ص ۸ تا ۱۱)

عہدِ رسالت کے بھلے مانس لوگوں پر بہتان

① مفتی صاحب نے عمار خان صاحب کے زنا کی بابت قائم کردہ نظریے پر تنقید کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی کہ عمار صاحب نے عہدِ رسالت ﷺ کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ درست نہیں، اور مدینہ میں کسی کو کہاں جرأت تھی کہ وہ عورتوں پر ہاتھ ڈالتا پھرے یا مستقل یاری، آشنائی اور زنا کے اڈے چلانے کا مرتکب ہو۔ تو اس پر عمار خان ناصر نے لکھا:

"ممکن ہے مولانا محترم (عبد الواحد) کا یہ مفروضہ منافقین کے بارے میں درست ہو لیکن جہاں تک مخلص اور خدا ترس اہل ایمان کا تعلق ہے تو مستند روایات کی رو سے وہ ایسا کرنے کی (یعنی زنا کے اڈے چلانے کی، مستقل یاری، آشنائی کرنے کی اور زنا بالجبر کرنے کی) پوری پوری جرأت رکھتے تھے۔"

② سورہ نساء کی آیات ۱۵، ۱۶ کی تفسیر میں عہد رسالت کے مسلمانوں کی تصویر کشی جو عمار خان کی ہے، وہ مفتی عبد الواحد صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:

"اور (اے مسلمانو!) تمہاری (مسلمان) عورتوں سے جو بدکاری (کے اڈے چلاتی ہیں اور خود بدکاری) کرتی ہیں، ان پر (اس بارے میں) چار گواہ بنالو (کہ وہ اڈے چلاتی ہیں اور بدکاری کرتی ہیں) پھر وہ گواہ (عدالت میں جا کر) گواہی دے لیں تو تم عدالت کے حکم پر ان (عورتوں) کو گھروں میں روکے رکھو، یہاں تک کہ ان کی موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی (اور) راہ بنادیں۔ اور (اے مسلمانو!) تم میں سے جو (مسلمان) مرد و عورت (مستقل اور روز مرہ کے معمول کے طور پر یاری آشنائی کریں اور) بدکاری کریں تو (اپنی عدالت کے ذریعے) ان کو ایذا دو (یعنی تعزیر کرو) پھر (ان کی مسلسل نگرانی کرو اور اس پر نظر رکھو کہ ان کے پاس کون آتا ہے اور یہ کس کس کے پاس جاتے ہیں) پھر اگر (معلوم ہو کہ) انھوں نے (سچی) توبہ کرلی اور (اپنی) اصلاح کرلی تو ان سے درگزر کرو۔" (ص: ۱۷۶)

2014

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

③ سورۃالنساء کی آیت ۱۵، ۱۶ میں زنا کے جن عادی مجرموں کے لیے (جو عمار خان کے بقول مسلمان تھے) عبوری سزا بیان کی گئی، ان کا جرم چونکہ زنا کے عام مجرموں کے مقابلے میں کئی گناہ زیادہ سنگین تھا اور ان میں بالخصوص یاری آشنائی کا تعلق رکھنے والے بدکار جوڑے اس عرصے میں توبہ و اصلاح کا موقع دیے جانے کے باوجود اپنی روش سے باز نہیں آئے تھے ،اس لیے عام مجرموں کے بر خلاف زنا کے یہ عادی مجرم بدیہی طور پر اضافی سزاؤں کے بھی مستحق تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ ان پر جلا وطنی اور رجم کی اضافی سزائیں بھی نافذ کی جائیں۔ (ص:۱۹۰)

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خدائی حکم کے باوجود سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کی سزا تو دی گئی جو کہ اضافی سزا تھی، سو کوڑوں والی بنیادی سزا نہیں دی گئی اور نہ ہی انکو کبھی اسکی دھمکی دی گئی تھی۔

④ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے اتفاقیہ زنا سرزد ہو گیا ،پھر وہ از خود حاضر ہوئے اور گناہ سے پاک کرنے کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کو بار بار ٹالتے رہے، لیکن وہ بار بار آکر اپنے جرم کا اعتراف کرتے رہے۔ رجم کے بعد رسول ﷺ نے بتایا کہ اس بھلے مانس آدمی کی توبہ بڑے اونچے درجے کی تھی، لیکن عمار صاحب لکھتے ہیں:

"ماعز اسلمی کے جرم کی نوعیت اور ان کے نبی ﷺ کی عدالت میں خود پیش ہونے یا پکڑ کر لانے کے حوالے سے روایات اُلجھی ہوئی ہیں اور تفصیلی تحقیق و تنقید کا تقاضا کرتی ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ماعز کو رجم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس سے اس کا عادی مجرم ہونا واضح ہوتا ہے۔"[1]

جبکہ مفتی عبدالواحد صاحب نے ثابت کیا ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبے میں جو دھمکی دی تھی، وہ منافقوں کے لیے تھی۔

⑤ عمار صاحب یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ عربوں کے مسلمان ہو جانے کے باوجود رسول اللہ

1 حدود و تعزیرات: ۱۶۴، ۱۶۳

magazine.mohaddis.com

ﷺ ان میں سے جاہلی معاشرت کے بعض تصورات کی اصلاح نہ کر سکے۔ جاہلیت کے عرف کے بر خلاف جس میں مرد کی دیت کے سو اونٹ تھے اور عورت کی دیت کے پچاس اونٹ تھے، رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت کی جان کی قیمت یکساں کرنے کے لیے دیت کا یہ قانون بنایا تھا کہ مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر دیت ایک سو اونٹ ہو گی، لیکن تین خلفائے راشدین یعنی حضرت عمر، عثمان و علی اور تین دیگر بڑے اہل علم صحابہ یعنی حضرت ابن عباس، ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ان کو یا تو نبی ﷺ کے بنائے ہوئے قانون کا علم نہیں تھا (جو کہ ناقابل تسلیم بات ہے) یا ان حضرات نے نبی ﷺ کے بنائے ہوئے قانون کو دیکھا کہ لوگ عورت کی دیت کے سو اونٹ پر راضی نہیں، اس لیے ان حضرات نے معروضی حالات سے مجبور ہو کر عورت کی دیت کے دوبارہ پچاس اونٹ کر دیے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو حالات پیش آئے، ان میں حضرت ابو بکرؓ نے ان کا اعتبار نہیں کیا اور نصوص صریحہ پر عمل کیا۔

ذمّی اگر توہین رسالت کرے تو اس کی سزا

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ پر تنقید: مسلمان ملک کا غیر مسلم شہری اگر توہین رسالت کا مرتکب ہو تو امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی سزا بطور حد کے قتل ہے۔ عمار صاحب چونکہ ایسے ذمی کو سزائے موت سے بچانا چاہتے ہیں، اس لیے انہوں نے ائمہ ثلاثہ کو بھی تنقید سے نہ بخشا اور اپنے رسالے میں لکھا:

"اگر اس معاملے میں محض جذباتی انداز اختیار کر لیا جائے یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر (جو کہ توہین رسالت کے مسئلے میں ائمہ ثلاثہ کا قول ہے، اس پر) اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے گا جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی (لیکن ان ائمہ نے نہیں کی) تو یقینی طور سے اس رویے کو (یعنی ائمہ ثلاثہ کے قول کو حکم و قانون بنانے پر اصرار کرنے کو) کوئی متوازن اور دین و شریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔"

(ص ۲۲۰)

اس بابت عمار خان صاحب کی تحریر میں تضاد بھی ہے۔ چنانچہ توہین رسالت کے بارے میں پہلے انسانی جذبات واحساسات کو فیصلہ کن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جدید جمہوری اُصولوں کی رو سے کسی بھی مملکت کی حدود میں بسنے والے ہر مذہبی گروہ کو اپنے عقیدہ و مذہب کے تحفظ کا حق اور اس کی ضمانت حاصل ہے ... اور راسخ العقیدہ اہل مذہب اپنے مذہبی شعائر، شخصیات اور جذبات کو جان و مال اور آبرو سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں اور ان میں سے کسی بھی چیز کی توہین لازماً مذہبی جذبات کو مجروح کرنے اور نتیجتاً اشتعال انگیزی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ انسانی و مذہبی حقوق کی اس خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے سدباب کے لیے سزا مقرر کرنا ہر لحاظ سے جمہوری اُصولوں اور تصورات کے مطابق ہے۔'' (ص ۲۳۰،۲۳۱)

(ii) پھر لکھتے ہیں کہ انسانی جذبات واحساسات توہین رسالت میں فیصلہ کن نہیں ہیں:

''بنیادی نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ شرعی احکام اور خاص طور پر مختلف جرائم پر سزاؤں کی تعیین میں اصل اور اساس کی حیثیت انسانی احساسات و جذبات کو نہیں بلکہ اس چیز کو حاصل ہے کہ اس باب میں شارع کا منشا کیا ہے اور وہ کس جرم پر کس نوعیت کی سزا دلوانا چاہتا ہے۔ شرعی احکام میں انسانی جذبات اور احساسات کو یقیناً ملحوظ رکھا گیا اور ان کی رعایت کی گئی ہے، لیکن کسی چیز کا فیصلہ کرنے میں اُنہیں فیصلہ کن اور حتمی معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔''

(iii) اس کے بعد جرم کی سنگینی ذہنوں سے نکالنے کے لیے لکھتے ہیں:

''پیغمبر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کا جرم اگر اپنی نوعیت اور اثرات کے لحاظ سے اس درجے کو پہنچ جائے کہ اس کی اذیت پورے مسلمان معاشرے کو محسوس ہونے لگے (یعنی پورے ملک یا پوری مسلم دنیا میں ہلچل مچ جائے۔ ناقل) اور مجرم کسی چیز کی پروا کیے بغیر اپنی روش پر قائم رہے تو اس صورت میں یہ جرم براہِ راست آیت محاربہ کے تحت آجاتا ہے (اور صرف ایسی ہی حالت میں ذمی کو سزائے موت دی جاسکتی ہے، لیکن پھر بھی ٹھہریے ...) یہ ضروری نہیں کہ سب و شتم اور توہین و تنقیص کے

magazine.mohaddis.com

جرم کو اپنی ہر صورت میں حرابہ ہی کے دائرے میں شمار کیا جائے، کیونکہ نوعیت و کیفیت اور اثرات کے لحاظ سے اس کی نسبتاً کمتر اور ہلکی صورتوں کا رونما ہونا ممکن ہے۔" (ص ۲۳۲)

"ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" (ص ۲۳۷)

حالانکہ متاخرین کا فتویٰ بھی فتویٰ ہی ہوتا ہے اور یہاں تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی قول بیان کرتے ہیں کہ ذمی توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ پھر چونکہ اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ حکومت کی سستی یا مصلحت کوشی یا لاپرواہی کی وجہ سے کوئی شخص غیرت کی بنا پر توہین رسالت کے مرتکب کو خود ہی قتل کر دے تو اس کے سدِباب کے لیے عمار خان ناصر لکھتے ہیں:

"حدود و تعزیرات کے جتنے بھی احکام ہیں، یہ افراد کے لیے نہیں ہیں... عام آدمی میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ چور کو پکڑ کر اس کا ہاتھ کاٹ دے... یہ حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے لڑنا انفرادی کام نہیں ہے۔ یہ اجتماعی طور پر حکومت کا کام ہے... تمہیں (صرف) زبان سے سمجھانے کا حق ہے۔" (ص: ۲۵۷)

ان اقتباسات سے یہ باور کرنا مشکل نہیں کہ عمار خان صاحب نے ذمیوں کو توہین رسالت کے ارتکاب پر سزائے موت سے بچانے کے لیے ہر دروازہ کھولنے کی کوشش کی ہے۔

مسجد اقصیٰ اور عمار خان کی یہود نوازی

مسجد اقصیٰ اور اس سے متصل احاطہ ۴۵ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہے۔ بیت المقدس کو جب مسلمانوں نے فتح کیا تو یہ احاطہ ویران اور خراب حالت میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس احاطہ کے ایک حصّے میں مسجد بنوائی اور کچھ مزید تعمیرات بعد کے حکمرانوں نے بنوائیں۔ عمار خان صاحب کے بقول مسجد اقصیٰ کے احاطہ کی تولیت کے بارے میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ اس جھگڑے میں عمار خان کا موقف یہ ہے کہ احاطہ کے ایک حصے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد مقرر کی تھی، وہ درست ہے اور وہ مسلمانوں کا حق ہے، البتہ باقی احاطہ یہودیوں کا حق ہے کہ وہ اس میں اپنی عبادت گاہ بنائیں اور یہودیوں کا یہ حق قانون کے اعتبار سے نہیں، اسلامی اخلاقیات کے اعتبار سے ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ باقی احاطہ پر حق نہ جتائیں اور اس کو یہودیوں کی امانت سمجھ کر ان کے حوالے کر دیں۔ یہ بات عمار خان کے الفاظ میں بھی پڑھ لیجیے، لکھتے ہیں:

"جہاں تک قانونی پہلو کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے دعوائے تولیت کو ایک عملی وجہ ترجیح حاصل ہے۔ اُنھوں نے یہ عبادت گاہ نہ یہودیوں سے چھینی تھی اور نہ ان کی پہلے سے موجود کسی عبادت گاہ کو ڈھا کر اس پر اپنی عبادت گاہ تعمیر کی تھی۔ نیز وہ بحالتِ موجودہ اس کی تولیت کے ذمہ دار ہیں اور یہ ذمہ داری وہ گذشتہ تیرہ صدیوں سے... تسلسل کے ساتھ انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اسکی تولیت کا حق دار مسلمانوں ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔" (ص ۲۸۶)

دوسری جگہ اس کے بالکل اُلٹ لکھتے ہیں اور یہودیوں کے لیے تولیت کا حق بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"مسلمانوں نے یہود کی غیر موجودگی میں (مسجد اقصیٰ کے احاطے کی تولیت کی ذمہ داری) محض امانتاً اُٹھائی تھی۔"

کسی کو خیال ہو کہ اس جھگڑے میں عمار خان کو منصف بننے کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب عمار خان خود دیتے ہیں:

"ہمارا احساس یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی جانب سے اجتماعی طور پر اختیار کردہ اس رویے کی تشکیل میں بنیادی عنصر کی حیثیت مسئلے کی جذباتی نوعیت اور عرب اسرائیل سیاسی کشاکش کو حاصل ہے اور بعض نہایت اہم شرعی اخلاقی اور تاریخی پہلوؤں کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے اس معاملے میں توازن و اعتدال کی حدود ٹھیک ٹھیک ملحوظ نہیں رکھی جا سکیں۔ چنانچہ صورتحال اس بات کی مقتضی ہے کہ تعصّبات و جذبات سے بالاتر ہو کر قرآن و سنت کی روشنی میں بے لاگ طریقے سے اس کا جائزہ لیا جائے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اللہ تعالیٰ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اُمت پر یہ واضح کیا ہے کہ ان کے ہاتھ سے عدل وانصاف کا دامن کسی حال میں بھی نہیں چھوٹنا چاہیے، چاہے معاملہ کسی ایسے گروہ ہی کا کیوں نہ ہو جس نے ان پر ظلم وزیادتی کی اور ان کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کیا ہو... ذیل کی سطور میں ہم نے اسی جذبے کے ساتھ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔" (ص ۲۸۵)

"لیکن (مسلمانوں کو) موجودہ مسجد اقصیٰ کے علاوہ پورے احاطۂ ہیکل کی تولیت اور تصرف کا حق جتانے اور یہودیوں کے حق کی کلیتاً نفی کرنے کا دینی وتاریخی لحاظ سے نہ کوئی جواز ہے اور نہ ضرورت۔" (ص ۲۸۴)

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے (اور مفتی عبد الواحد صاحب نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں مسجد یا عبادت گاہ بنائی تھی، ان کے دور کے بنی اسرائیل اور یہود اس کی تولیت کے حقدار تھے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے اور مسلمان بھی تھے۔ ان کے دور کے لوگ بھی مسلمان تھے، لیکن جب یہود نے بعض انبیا کو قتل کیا اور کرایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا انکار کیا تو وہ کافر ہو گئے اور جو احاطہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف تھا، وہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ یہود نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا بھی انکار کیا اور کافر رہے اور ان پر خدا کا بغض ہوا اور لعنت ہوئی اور ذلت ہوئی۔ جس قوم پر خدا کی لعنت اور بغض ہو، اس کے توبہ کیے بغیر کافر رہتے ہوئے اس بارے میں عمار صاحب کا یہ کہنا "کہ خدا تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تم پر رحم کریں گے اور تم کو بیت المقدس میں داخل کریں گے "کیسا عجیب وغریب دعویٰ ہے، لیکن حیرت ہے کہ عمار خان صاحب بڑے شدومد کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرانِ مجید واقعہ اِسرا کے بعد بھی اس بات کا امکان تسلیم کرتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے یہود کو (یہودی رہتے ہوئے۔ ناقل) دوبارہ اپنے مرکز عبادت کی بازیابی اور اس میں سلسلۂ عبادت کے احیا کا موقع ملے۔ اگرچہ یہ موقع بھی پہلے مواقع کی طرح اطاعت اور حسنِ کردار کے ساتھ مشروط ہو گا۔" (ص ۳۰۰)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عالمی نبوت و رسالت کے ظاہر ہونے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کونسی عبادت، کونسی اطاعت اور کونسا حسن کردار مقبول ہے!

یہود کے لیے عمار خان اپنا دردِ دل دکھانے کو لکھتے ہیں:

① "ہمارے نزدیک اس معاملے میں سب سے نازک سوال اُمّتِ مسلمہ کی اخلاقی پوزیشن کا ہے... اُمّتِ مسلمہ کے سیاسی اور معاشرتی وجود کی بامقصد بقا کے لیے سب سے پہلے اس کے اخلاقی وجود کا تحفظ ضروری ہے۔ اگر اُمّت کسی معاملے میں اجتماعی طور پر ایک غیر اخلاقی رویہ اختیار کیے ہوئے ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت سنگین صورت حال ہے جس کی اصلاح کی کوشش باقی تمام کوششوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔" (ص۳۰۶)

② "مسجدِ اقصیٰ کی حیثیت یہود کے نزدیک کسی عام عبادت گاہ کی نہیں بلکہ وہی ہے جو مسلمانوں کے نزدیک مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی ہے۔ مسلمان اپنی عام عبادت گاہوں کے برخلاف ان دونوں مساجد کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ اگر خدانخواستہ کبھی وہ ان کے ہاتھ سے چھن جائیں اور کسی دوسرے مذہب کے پیروکار اسے اپنی مذہبی یا دنیوی سرگرمی کا مرکز بنالیں تو ان پر سے مسلمانوں کا حق ختم ہو جائے گا۔ اپنے قبلے کے بارے میں یہ احساسات و جذبات دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے حوالے سے مانا جانے والا یہ اُصول عدل و انصاف کی رو سے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے بھی تسلیم کیا جانا چاہیے۔ کسی قوم کو داخلی احتساب پر آمادہ کرنا ویسے بھی کوئی آسان کام نہیں، لیکن اس کے ساتھ جب اجتماعی نفسیات میں یہ غرہ (گھمنڈ) بھی ہو کہ ہم تو خدا کی آخری شریعت کے حامل اور افضل الرسل کی اُمت ہیں، جبکہ ہمارا مخالف گروہ ایک مغضوب وملعون گروہ ہے، تو عدل وانصاف اور غیر جانبداری کی دعوت کوئی آسانی سے ہضم ہونے والی چیز نہیں رہ جاتی۔" (ص۳۰۷)

③ "... اسی طرح یہود کی شریعت میں ہیکل کے مقام وحیثیت، اس کی تباہی وبربادی پر ان کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دلوں میں ذلت ورسوائی کے احساسات اور اس کی بازیابی کے حوالے سے ان کے سینوں میں صدیوں سے تڑپنے والے جذبات بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہیں۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ، مبارک اور فطری جذبہ ہے اور خود قرانِ مجید یہود سے اُن کے اس مرکزِ عبادت کے چھن جانے کی وجہ، ان کے اخلاقی جرائم کو قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس امکان کو بھی صراحتاً تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اُن کی آزمائش کے لیے اس مرکز کو دوبارہ ان کے تصرف میں دے دے۔" (ص۳۰۸)

بنی اسرائیل اور یہود کے بارے میں قران پاک نے جو کچھ کہا ہے اور دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں یہود نے اپنے جس قبیح کردار کا مظاہرہ کیا، اس کو پیش نظر رکھیں تو یہ سب باتیں عمار خان ناصر کے ڈھکوسلے اور ربے پرکی باتیں ہیں۔اس کے باوجود پھر جو کوئی یہ کہے کہ مبغوض ومردود ہونے کی حالت میں یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ خاصہ سے ان کا مرکز ان کو دوبارہ دلوادیں۔ ہاں اگر یہ اسلام قبول کرلیں اور رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیا کی نبوت کو تسلیم کرلیں تو دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر غلبہ حاصل کرسکتے ہیں۔اس پر عمار خان طیش میں آتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"یہ ... بالکل بے معنی (بات) ہے... جب اسلامی شریعت میں یہود کو ایک مذہبی گروہ کے طور پر باقی رہنے اور اپنے مذہب کی پوری آزادی کے ساتھ عمل کرنے کا حق دیا گیا ہے (یہ عمار خان کا غلو ہے یہاں اتنا ہی اشارہ کافی ہے تفصیل کتاب میں ملے گی) اور ان کے مذہبی مقامات و شعائر کے احترام کی تلقین کی گئی ہے تو ان کے اپنے قبلے سے محروم کرنے کی کیا تک ہے؟ کسی مذہبی گروہ سے یہ کہنا کہ تمہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کا تو پورا پورا حق ہے اور ہماری طرف سے تمہارے مذہبی شعائر و مقامات کو بھی پوری طرح تحفظ حاصل ہو گا، لیکن اگر تم اپنے قبلے کے ساتھ کوئی تعلق باقی رکھنا اور اس میں عبادت کا حق حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے تمہیں اپنے مذہب سے دستبرداری اختیار کرکے ہمارے مذہب میں آنا ہو گا۔ آخر ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟" (ص۳۱۶)

magazine.mohaddis.com

اس عبارت میں عمار خان کا ایک ایک جملہ صرف ایک مذاق ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔

جہاد کے بارے میں عمار خان کے نظریات

قرآن وسنت کی نصوص اور ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ دینِ اسلام کی سربلندی اور کفر کی شوکت کو توڑنے کے لیے جہاد قیامت تک باقی رہنے والا ایک مقدس فریضہ ہے۔ لیکن عمار خان صاحب نے جہاں دیگر بہت سے اُمور میں اُمت کی اجتماعی رائے سے اختلاف کیا ہے، وہیں اُنھوں نے اس فریضے کے حوالے سے بھی اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ پوری ملتِ اسلامیہ کے برعکس وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ غلبہ دین کی خاطر جہاد صرف عہدِ رسالت وصحابہ کے ساتھ خاص تھا جو ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہے۔ اب کسی کو بھی قیامت تک محض غلبہ دین کے لیے تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

① " قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیروا اہل ایمان کو عہد نبوی کے معروضی حالات کے تناظر میں جہاد و قتال کا حکم دو طرح کے مقاصد کے تحت دیا گیا:

۱۔ اہل کفر کے فتنہ وفساد اور اہل ایمان پر اُن کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے کے لیے۔

۲۔ اور دوسرے کفر وشرک کا خاتمہ اور باطل ادیان کے مقابلے میں اسلام کا غلبہ اور سر بلندی قائم کرنے کے لیے۔" (ص۳۳۶)

② "اسلامی تاریخ کے صدرِ اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے ہاتھوں جزیرۂ عرب اور روم وفارس کی سلطنتوں پر دینِ حق کا غلبہ قائم ہو جانے کے بعد غلبہ دین کے لیے جہاد و قتال کے حکم کی مدتِ نفاذ خود بخود ختم ہو چکی ہے۔ یہ شریعت کا کوئی ابدی اور آفاقی حکم نہیں تھا اور نہ ہی اس کا ہدف پوری دنیا پر تلوار کے سائے میں دین کا غلبہ اور حاکمیت قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد قیامت تک کے لیے جہاد و قتال کا اقدام دین کے معاملے میں عدمِ اکراہ اور غیر محارب کفار کے ساتھ جنگ سے گریز کے ان عمومی اور اخلاقی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی کیا جائے گا جو قرانِ مجید کی نصوص میں مذکور ہیں۔"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

(ص ۳۶۲)

خلفائے راشدین کی جنگی پالیسی اور محدود اہداف

عمار خان صاحب نے اپنے اس خود ساختہ نظریہ جہاد کا خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کو بھی پابند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو عمار صاحب خلفائے راشدین کی جنگی پالیسی کا نام دیتے ہیں اور اس کی یہ شقیں بتاتے ہیں:

① جہاد و قتال سے ان (یعنی خلفائے راشدین) کا مقصد اسلامی سلطنت کی غیر محدود توسیع نہیں تھا، بلکہ ان کا ہدف صرف رومی و فارسی سلطنتیں تھیں۔

② رومی اور فارسی سلطنتوں کے خلاف جنگ کی اجازت حاصل ہونے کے باوجود وہ ان کے تمام علاقوں پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ ان کے پیش نظر اصلاً صرف شام اور عراق کے علاقے تھے اور وہ ان سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ (روم سے مراد پوری رومی سلطنت نہیں بلکہ صرف شام کا علاقہ ہے)۔

③ ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد جنگ کو روکنے کا فیصلہ وقتی حالات کے تحت نہیں تھا۔ بلکہ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی رکاوٹ حائل ہو جائے کہ نہ دشمن کی فوجیں ان تک آسکیں اور نہ مسلمان ان تک پہنچ سکیں۔

④ روم و فارس یا ان کے زیر اثر علاقوں کے علاوہ دوسری قوموں کے خلاف اُنھوں نے صرف اسی صورت میں اقدام کیا جب انھوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی مدد کی یا ان کی طرف سے میدانِ جنگ میں آئے۔

⑤ سمندر کے راستے سے کوئی جنگی مہم بھیجنے کے وہ سرے سے قائل ہی نہیں تھے اور اس کو وہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کے طریقے کے منافی اور مسلمانوں کی جانوں کو بلا ضرورت خطرے میں ڈالنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ (ص ۳۹۲، ۳۹۳)

عمار خان صاحب کے ذکر کردہ یہ تمام نکات جن کو اُنھوں نے خلفاے راشدین کی طرف منسوب کیا ہے سب کے سب غلط ہیں جن کی تفصیلی تردید زیر نظر کتاب میں موجود ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ادارہ

مدیر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض

پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل کی قیادت میں

سعودی اعلیٰ تعلیمی وفد کا دورہ جامعہ لاہور الاسلامیہ

"پاکستان، ارضِ حرمین کے بعد میرا دوسرا وطن ہے، اور اس سے مجھے دلی محبت ہے۔ اس ملک میں بدامنی اور بے چینی کے حالات دیکھ کر میرا دِل کڑھتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو دورِ حاضر کے چیلنجوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے اپنی تعلیمی صلاحیت کو بہتر کرنا اور تحمل واعتدال کا دامن تھامنا ہوگا۔"

ان خیالات کا اظہار علم وتہذیب کے گہوارے اور پاکستان کے دل شہر لاہور میں تشریف لانے والے پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل نے جامعہ لاہور الاسلامیہ (Lahore Islamic University) میں ہونے والے اپنے مرکزی خطاب میں کیا۔ فروری کے آغاز میں عالم عرب کی نامور علمی اور تعلیمی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل، خادم الحرمین الشریفین کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی طرف سے دی جانے والی پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری وصول کرنے کے لئے پاکستان تشریف لائے، تو اُن کے پروگرام میں اسلام آباد کے ساتھ لاہور کا دوروزہ دورہ بھی شامل تھا۔ یاد رہے کہ عالم اسلام کی مایہ ناز یونیورسٹی امام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض کے مدیر پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل پاکستان میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پروچانسلر ہونے کے ساتھ ساتھ لاہور کی جامعہ لاہور الاسلامیہ کے بھی پروچانسلر ہیں، دوبرس قبل خادم الحرمین الشریفین ملک عبد اللہ بن عبد العزیز آل سعود نے اُنہیں یہ ذمہ داری تفویض کی تھی۔ اس مناسبت سے، ڈاکٹر ابا الخیل اور جامعۃ الامام کے اعلیٰ تعلیمی وفد کی اپنے میزبان سعودی سفارتخانہ کے عہدیداروں اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے پریزیڈنٹ ڈاکٹر احمد یوسف الدریویش اور یونیورسٹی ذمہ داروں کے ہمراہ ۲ فروری اتوار کو لاہور میں تشریف آوری ہوئی، جہاں پرل کانٹی نینٹل لاہور میں جامعہ لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

الاسلامیہ کے صدر مولانا ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی اور سینئر اساتذہ وعہدیدران نے اُن کا پرتپاک استقبال کیا۔ اسی رات جامعۃ الامام الریاض، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد اور سعودی سفارتخانہ کے تقریباً پچاس نمائندہ اہل علم ودانش کو جامعہ لاہور الاسلامیہ نے لاہور کے مشہور روایتی اور ثقافتی ریستوران میں پرتکلف عشائیہ دیا۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ (Lahore Islamic University)، لاہور میں چار دہائیوں سے شریعت وقضا اور قرآن وسنّت کے علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم: اکنامکس اور بینکنگ، کامرس و فائنانس اور انتظامی علوم وغیرہ کی تعلیم وتربیت میں مصروفِ عمل ہے۔ سعودی جامعات اس جامعہ کے اشتراک سے پاکستان میں تعلیمی وتربیتی ورکشاپس منعقد کرنے کے علاوہ، عرصہ دراز سے یہاں کے طلبہ کو بڑی تعداد میں سکالرشپ دیتی آرہی ہیں۔ اس کے ذمہ داران ومنتظمین سعودی عرب کی مشہور جامعات اور نمایاں اہل علم حضرات سے تعلیم حاصل کرنے کی بنا پر پاکستان میں سعودی طرزِ تعلیم اور جامعات کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ جامعہ لاہور میں ۱۲ عمارتوں میں مصروفِ کار ہے، جس میں طلبہ وطالبات کی کثیر تعداد زیر تعلیم ہے۔

اگلے روز ۳ فروری ۲۰۱۴ء کی صبح قابلِ قدر مہمانانِ گرامی کے ہاتھوں جامعہ ہذا کے ایک شعبے 'المعہد العالی للعلوم الاجتماعیہ (LISS) کی تقریبِ افتتاح کے علاوہ جامعہ ہذا میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد برسہابرس سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں نمایاں تعلیمی، تحقیقی اور سماجی کارکردگی پیش کرنے والے جامعہ کے فاضلین وفاضلات میں تقسیم اعزازات کا پروگرام تھا۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے چانسلر جناب محمد میاں سومرو (سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان)، لاہور تشریف لانے کے باوجود اچانک ہسپتال میں داخل ہونے کی بنا پر افتتاحی تقریب میں شرکت نہ کرسکے، تاہم رئیس الجامعہ ڈاکٹر مولانا مدنی کی قیادت میں جامعہ کی سپریم کونسل کے نامور ارکان، اعلیٰ عدلیہ سے وابستہ اہم شخصیات مثلاً جسٹس (ر) منیر اے شیخ، جسٹس (ر) تنویر احمد خاں، جسٹس (ر) منیر احمد مغل کے علاوہ میڈیا وصحافت کی قد آور ہستیاں، تعلیم وتعلّم سے متعلق ماہرین پروفیسر زاور ممتاز علماء وغیرہ اُن کے پرجوش استقبال کے لئے موجود تھے۔ ۱۱ بجے صبح جامعہ کے نئے شعبے 'المعہد العالی للعلوم الاجتماعیہ' LISS کے افتتاح کے بعد مہمانانِ گرامی نے تدریسی انتظامات اور جدید سہولیات سے مزین اس کیمپس کا جائزہ لیا اور پروفیسر ڈاکٹر

magazine.mohaddis.com

سلیمان بن عبد اللہ اباالخیل کے ویمن کیمپس کی کلاسوں کے ساتھ کچھ علمی سوال وجواب بھی ہوئے۔ بعد ازاں موصوف کے ساتھ شیخ الجامعہ کے دفتر میں منتخب اہل علم ودانش اور جامعہ کے عہدیداران کا تعارف بھی کرایا گیا جس کے بعد وہ اپنے رفقا کے ہمراہ تقریبِ اعزازات میں شرکت کے لئے مخصوص محفل میں تشریف لے گئے۔

تقریبِ اعزازات میں جامعۃ الامام کے مدیر ڈاکٹر اباالخیل، انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پریزیڈنٹ ڈاکٹر احمد الدریویش، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے صدر ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی، سفیر خادم الحرمین الشریفین ڈاکٹر عبد العزیز بن ابراہیم الغدیر اور جامعہ ہذا کی انٹر نیشنل جوڈیشل اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل جسٹس منیر اے شیخ (سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) پنجاب جوڈیشل اکیڈمی کے سابق ڈائریکٹر جنرل جسٹس (ر) تنویر احمد خاں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر جسٹس (ر) منیر احمد مغل سٹیج پر جلوہ افروز تھے جبکہ لاہور کے صاحبان علم ودانش کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ (LISS) کے طلبہ اور طالبات کی ایک بڑی تعداد بھی تقریب میں موجود تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلامی ثقافت کی پابندی کرتے ہوئے مرد وزن کے لیے علیحدہ علیحدہ سٹیج اور نشست گاہیں ترتیب دی گئی تھیں جنہیں ویڈیو لنک کے ذریعے پروگرام کی کاروائی میں اکٹھا کیا گیا تھا۔

شیخ الجامعہ ڈاکٹر مدنی نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے، جامعہ کی تین دہائیوں پر مشتمل خدمات کا ایک مختصر تعارف پیش کیا۔ اُنہوں نے جامعہ کی پانچ فیکلٹیوں، دو انسٹیٹیوٹس آف ہائر سٹڈیز، متنوع تحقیقی شعبہ جات اور چار علمی ودعوتی ویب سائٹس کی کارکردگی کا مختصر جائزہ پیش کیا اور آنے والے مہمانوں کی خدمت میں اساتذہ ومنتظمین اور طلبہ وطالبات کی طرف سے پرخلوص ہدیۂ تشکر پر اپنے خطبہ کا اختتام کیا۔ سعودی عرب کے سفیر ڈاکٹر عبد العزیز بن ابراہیم الغدیر نے اپنے خطاب میں پاکستان اور سعودی عرب کے باہمی گہرے رشتوں اور محبت بھرے تعلقات کا اظہار کرتے ہوئے، اس تعلیمی رابطے کو ایسا نظریاتی رشتہ قرار دیا جو تمام رشتوں پر بھاری اور دونوں ملکوں کے عوام کے اٹوٹ اور پائیدار تعلق کی حقیقی اساس ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے عوام ارضِ حرمین سے محبت میں اپنی مثال آپ ہیں، سعودی عرب اور پاکستان محبت ودوستی کے لازوال رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر اباالخیل نے اس موقع پر اپنے

مجلس التحقيق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خطاب میں فرمایا کہ ملت اسلامیہ دور حاضر کے چیلنجز کا سامنا تعلیمی ترقی اور باہمی اتحاد واتفاق کے ساتھ ہی کر سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت انسانیت پر عظیم احسانِ الٰہی ہے، جس کے ذریعے آپ کے پیروکار ایک مرکز پر متحد ہو کر دنیا کی عظیم ترین قوت بن گئے۔ اگر مسلمان آج تعلیماتِ نبویہ کو خلوص دل سے تھام کر ان پر عمل کریں تو روٹھا ہوا عروج کا دور دنوں میں واپس پلٹ سکتا ہے۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہوں نے متنوع پہلوؤں پر محیط اس کی تعلیمی و معاشرتی خدمات کی تحسین کی اور اس میں اعلیٰ تعلیم کے نئے مراحل پر بھی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے جامعہ کے مؤسس و صدر ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات کے فروغ کی مخلصانہ اور ان تھک مساعی میں صرف ہوگئی ہے اور ہم ان کی جدوجہد کے بیحد قدردان ہیں۔ اُنہوں نے بطور پروچانسلر اس جامعہ میں اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے حوالے سے ڈاکٹر مدنی اور جناب سفیر ڈاکٹر غدیر کو دوران خطاب اپنے ساتھ بلا لیا اور اپنے خطاب کے دوران دس منٹ تک دونوں شخصیات کے ہاتھ تھامے رکھے۔ اور سفیر خادم الحرمین الشریفین کو فرمایا کہ وہ ان کی اس جامعہ میں بطور پروچانسلر تعیناتی (جو شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز کے حکم پر ہوئی) کے سلسلے میں بھرپور مدد کریں۔ ان کو اپنے فرائض نبھانے میں سعودی سفارتخانہ اور سعودی عرب کے زیر نگرانی پاکستان میں کام کرنے والے اداروں کا مؤثر تعاون درکار ہے، اُنہوں نے سعودی حکومت کو اسلام کا خادم قرار دیتے ہوئے سعودی اداروں کو خدمت اسلام کے لئے یکسو اور متحد و مرکوز ہو جانے کی تلقین کی۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کو انہوں نے متوازن و معتدل اسلام کا حامل اور مسلمانوں میں وحدت و یگانگت کا داعی قرار دیا۔

ڈاکٹر اباالخیل کے مؤثر و پرجوش خطاب کے بعد جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نمایاں خدمات انجام دینے والے ابناء الجامعہ میں تعریفی اسناد اور شیلڈز تقسیم کی گئیں، وقت کی کمی کی وجہ سے نامور خدمات انجام دینے والے صرف ۱۵ فاضلین ہی معزز مہمانوں سے یہ شیلڈیں وصول کر سکے، شیلڈ وصول کرنے والوں میں نامور علما، داعیان اور اساتذہ کرام و محققین شامل تھے۔
اس موقع پر جامعہ لاہور الاسلامیہ کے ذمہ داران نے ڈاکٹر اباالخیل، ڈاکٹر الدریویش، ڈاکٹر الغدیر اور ان کے نامور رفقا کو بھی شکر و تقدیر پر مبنی شیلڈز پیش کیں۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ اور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اس کے ذمہ داران کو بھی خدمات کے اعتراف میں انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے پریزیڈنٹ ڈاکٹر الدریویش نے تعریفی شیلڈیں پیش کی۔ تقریب کے بعد جامعہ کے دیگر کیمپسوں کے معائنہ کے لئے مہمانانِ گرامی تشریف لے گئے۔

یاد رہے کہ انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد کے پریزیڈنٹ ڈاکٹر درویش، جامعہ لاہور الاسلامیہ کی سپریم کونسل کے معزز رکن بھی ہیں اور اس موقع پر جامعہ کی سپریم کونسل کے دیگر کئی حضرات بھی موجود تھے۔ تقریب تقسیم اعزازات کے بعد ایک بجے دوپہر مجلس الجامعہ (University Authority) کا اجلاس تھا، جس میں معزز مہمان شریک ہوئے اور جامعہ کے چانسلر محمد میاں سومرو کی علالتِ طبع کے باعث، پرو چانسلر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل نے بحیثیت چانسلر اجلاس کی صدارت نے کی۔ اس حوالے سے غور کیا گیا کہ جامعہ ہذا کے متعدد قومی اور بین الاقوامی تعلیمی اداروں سے معاہدات ہو چکے ہیں، جو طلبہ وطالبات کو ہر شعبہ حیات میں وسیع تر تعلیم دے رہے ہیں، سو مشاورت کے بعد طے پایا کہ جامعہ لاہور الاسلامیہ اب جامعہ لاہور العالمیہ (Lahore International University) کے قیام کی طرف پیش قدمی کرے، اور لاہور شہر میں پھیلے ہوئے منتشر کیمپسوں کو ایک منظم 'یونیورسٹی' کی شکل دینے کے لئے اقدامات کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ ڈاکٹر ابا الخیل نے لاہور واسلام آباد میں قائم دونوں اسلامی جامعات کو، اپنے عہدہ ومنصب کی رو سے، ایک دوسرے سے تعلیم و تحقیق کے میدانوں میں بھرپور تعاون کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح دنیا بھر میں ہم جامعات کی سرپرستی کرتے ہیں، ویسا ہی مثالی تعاون ہم لاہور انٹر نیشنل یونیورسٹی کو بھی میسر کریں گے۔ عربی وپاکستانی مشترکہ روایات کے عکاس پر تکلف ظہرانے پر مجلس الجامعہ کی یہ میٹنگ ختم ہوئی۔

اسی روز شام لاہور کی مرکزی شاہراہ خیابانِ جناح (لنک رائیونڈ روڈ) پر واقع جامعہ کے کلیہ الشریعہ والدراسات الاسلامیہ کے کیمپس میں بعد نمازِ عصر 'تعلیمی ثنویت اور عالم اسلام' کے موضوع پر ایک سیمینار کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں جامعہ ہذا سے منسلک ومتعاون تعلیمی اداروں کے منتظمین اور ملک بھر سے تشریف لانے والے ماہرین تعلیم، یونیورسٹیوں کے پروفیسرز حضرات، شعبہ تعلیم سے متعلق بعض سرکاری عہدیداران اور مدارسِ دینیہ کے ذمہ داران

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شریک تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد والی نشست عرب وفد کے خطابات کے لئے مخصوص کی گئی۔ آخر میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے مدیر اور الجامعہ الاسلامیہ العالمیہ کے پریزیڈنٹ نے عربی میں متعلقہ موضوع پر بصیرت افروز خطابات کیے۔ ان خطابات کی اُردو ترجمانی کے فرائض مدیر 'محدث' ڈاکٹر حافظ حسن مدنی نے ادا کیے۔

لاہور میں اسی شب وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی طرف سے ان کی صوبائی کابینہ سمیت سعودی عرب سے تشریف لانے والے مہمانانِ گرامی کے اعزاز میں عشائیہ کا اہتمام تھا جس سے قبل کچھ دیر خادم اعلیٰ پنجاب سے ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ ابا الخیل، ڈاکٹر احمد یوسف الدریویش، ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی، ڈاکٹر عبد العزیز ابراہیم الغدیر اور ڈاکٹر حافظ حسن مدنی کی پہلے خصوصی ملاقات طے تھی۔ بعد ازاں امام محمد بن سعود یونیورسٹی، اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد اور لاہور اسلامک یونیورسٹی کے مزید دو درجن عہدیداران کے ساتھ صوبائی کابینہ کی وسیع تر نشست ہوئی، جس میں صوبائی وزراے تعلیم و قانون وغیرہ کے علاوہ لاہور کی بعض اہم یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز بھی موجود تھے۔ مہمانانِ گرامی نے حاضرین کے سامنے جامعہ لاہور الاسلامیہ (LIU) پر اپنے حسنِ اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس جامعہ کو پاکستانی معاشرہ کے لئے ثمرہ عظیم قرار دیا، اُنہوں نے واضح کیا کہ یہ جامعہ اسلامی علوم کے ساتھ دیگر شعبہ ہائے حیات میں توازن واعتدال کے ساتھ تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اُنہوں نے صوبائی کابینہ اور خادم اعلیٰ پنجاب سے جامعہ لاہور الاسلامیہ کی خصوصی سرپرستی کا مطالبہ کیا۔ مہمان نوازی کے حسن انتظام اور خادم اعلیٰ پنجاب کی حکومتی خدمات کو سراہتے ہوئے اُنہوں نے اہل پاکستان کی بے حد محبت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ یہ محبت بھرے جذبات سعودی عوام و حکومت تک بھی پہنچائیں گے۔

اُنہوں نے کہا کہ آئندہ لاہور آمد پر وہ جامعہ لاہور الاسلامیہ کو اس سے بہت وسیع تر خدمات انجام دیتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، جس کے لئے اُنہیں زعماے حکومت کا مخلصانہ تعاون درکار رہے۔ تین اور چار فروری کی درمیانی رات دو بجے سعودی عرب کے اس اعلیٰ تعلیمی وفد نے لاہور کو خیر باد کہا اور لاہور کے علامہ اقبال انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اُنہیں سفیر خادم الحرمین الشریفین اور دیگر سعودی و پاکستانی میزبانوں نے الوداع کیا۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری

المکتبۃ الرحمانیۃ

اُساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع

خصوصیات

- ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
- بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
- لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
- پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
- فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
- قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
- عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
- فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
- پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں

ایئر کنڈیشنڈ ہال

سہولیات

- جملہ اُردو وعربی تفاسیر اور علومِ قرآن کی تمام کتب
- حدیث نبوی، شروحِ حدیث اور علومِ قرآن کے بیشتر مراجع
- فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
- اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
- اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اَسلاف کا نادر علمی ورثہ
- Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت

اَوقات

صبح 9:00 بجے
تا
شام 5:00 بجے
(چھٹی بروز جمعہ)

بمقام

ادارہ 'محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور، 042-35866396

موبائل 0305-4600861 (لائبریرین: محمد اصغر)

Designed & Printed by CRYSTAL ART - 0323-7471861

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 46 No.2
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
  لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
  لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
  لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
  لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہوکر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہوجانا زندگی سے فرار ہے
  لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
  لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے
- زرِسالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700